Regd. No. LW/NP56

Office
Principle 7233
Guest House 73

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش
سونے چاندی کے زیورات کے لیے
ہمارا نیا شوروم
گہنہ پیلس
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد مہیم خاں، حمد سروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
فون نمبر۔ ۲۶۷۹۱۰ 267910

بمبئی کے قارئین تعمیر حیات سے
بمبئی کے قارئین تعمیر حیات حضرات سے گذارش ہے کہ تعمیر حیات کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلے میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building,
S.V. Patel Road, Null Bazar
Bombay - 400 003
Tel. : Add CUPKETELE
Tel. : 3762220/3728708
Tel. : (R) 3095852

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ کی بہترین دوا
لیبل پر ڈرگ لائسنس نمبر U18/77 اور کیپ سیل پر (ISI) مارک ضرور دیکھیں، انڈین کیمیکل کمپنی کی کہیں کوئی برانچ نہیں ہے دھوکہ نہ کھائیں۔ مٹو کا بنا اصلی نورانی تیل مٹو کا پتہ دیکھ کر خریدیں۔
INDIAN CHEMICAL MAU.N.B. 275101

تعمیر حیات کی ایجنسیاں:
درج ذیل پتوں پر رابطہ قائم کریں۔
Central News Agency Pvt. Ltd.
23/90, Connaught Circus,
P.B. No.374,
New Delhi-110-001.
Manzoor Ahmad Saheb,
Book Seller Azizia,
Noorani Masjid,
MALEGAON (Nasik) M.S.
Mr. Ibne Ghori Sb. M.A.
Rahman Bagh,
NALGANDAH-508001 (A.P.)

گذارش: خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام کی سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں۔ خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔

Printed by : Azad Printing Press, Ph : 234685, 248051

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

ایک قلبِ دردمند اور ایک فکرِ ارجمند

لتنے مردِ باخدا تھے کتنے دانا ہوتمند
درد سے معمور تھے دل اور فکرت ارجمند

جن کے دل میں موجزن تحریک ندوہ کی لگن
ڈال کر بنیادِ ندوہ کی کیا اس کو بلند

متفق ہو کر بنایا اہل حق نے ایک نظام
تاکہ پھر اسلام پر حملوں کا ہو دروازہ بند

چند اہلِ درد نے تحریکِ ندوہ پیش کی
کہ یہی تحریک ملت کے لئے تھی سودمند

نیک تھی ان کی نیت اور خوب تھا ان کا عمل
اس لئے اللہ کو ان کا عمل آیا پسند

شیخ کامل حضرتِ امداد تاج اولیاء
جن کے دامن سے ہی وابستہ ہے سارا دیوبند

آپ نے تائید فرمائی تھی اس تحریک کی
آپ کی تائید کا ندوہ بہت احسان مند

چل پڑی تحریک یہ بس آگ پانی کی طرح
اہل حق ہونے لگے ہر ہر قدم پر فتح مند

ہر قدم ملتے رہے تحریک کو وہ رہنما
تھے یقیں محکم سراپا درد مند و فکر مند

شبلیؒ نعمانیؒ، مونگیریؒ، شیروانیؒ، عبدحیؒ
ان میں ہر ہر ایک کا تھا مرتبہ کتنا بلند

آسمانِ علم میں سب نے لگائے چار چاند
علم ظاہر ہو کہ باطن کر دیا سب کو دوچند

آج تک سید سلیماں کی دلوں میں یاد ہے
صاحبِ قلب و نظر تھے اور زبانِ ہوشمند

درس گاہِ ندوہ کہتے ہیں جسے دار العلوم
علم کے معیار کو کتنا کیا اس نے بلند

کیا ادب تاریخ کیا اور کیا سلوک و معرفت
جس کی چاہو اس ادارے سے ملے گی تم کو قند

میں بتاتا ہوں تمہیں اس دور میں ندوہ ہے کیا
ایک قلبِ دردمند اور ایک فکرِ ارجمند

اس ادارے پر ہے اب اللہ کی نظرِ کرم
اس لئے اس کو کوئی پہونچا نہیں سکتا گزند

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

فی شمارہ ۵/ روپے
سالانہ ستر روپے
۱۰ ستمبر ۱۹۹۴ء

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

جلد نمبر ۳۱ | ماہنامہ صحافت و اشاعت دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ | شمارہ نمبر ۲۱

۱۰ ستمبر ۱۹۹۴ء
۲ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

نگران اعلیٰ
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا مذر الحفیظ ندوی — مولانا محمود وقار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی — مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبداللہ الحسنی ندوی — مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زرِ تعاون عملی
سالانہ ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ۵ روپے
بذریعہ منی آرڈر
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۲۵ ڈالر
بذریعہ کشتی ڈاک
بحری ڈاک جملہ ۱۰۰ ڈالر
خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیرِ حیات پوسٹ بکس 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ
کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ
پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

نوٹ

بجٹ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیرِ حیات جاتا ہے اس کی مراعات کی آرڈر کوپن پر ضرور کریں۔

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیرِ حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کیلئے شائع کیا

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

رسولِ وحدت

(۲)

وحدتِ کتاب

اس عنوان سے وحدتِ ادیان کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے جو اسلام کی وسیع اور بلند ذہنیت کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام سے پیشتر دوسرے مذاہب نے اس جانب توجہ نہیں کی تھی، یہود توراۃ کے سوا کچھ نہیں مانتے تھے، عیسائی توراۃ کے احکام کو نہیں مانتے تھے لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے تھے اور توراۃ کے علاوہ دنیا میں جو اور کتابیں مذہبی حیثیت سے مقدس مانی جاتی تھیں، اور جن کا زمانہ انجیل سے پیشتر تھا، ان کی عزت اور عظمت نہیں کرتے تھے، پارسی استاد کے علاوہ اور کسی کتاب کو خدا کا کلام تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ تھے، اور ہندوستان کے برہمن ویدوں کے سوا خدائی الہام کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے جو رواداری اور بے تعصبی اور نقطۂ نظر کی وسعت اس مسئلہ میں ظاہر فرمائی وہ اسلام بلکہ دنیا کی مہتم بالشان تعلیمات میں ہے؛

اس تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن مجید کی طرح گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں کو بھی صحیح سمجھے اور انکو منجانب اللہ تسلیم کرے، گویا قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء قدیم کی کتابوں پر بھی ایمان لایا جائے، اور قدیم کتابوں کی تصدیق نہ کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی بھی تصدیق نہ کی جائے، اور جس طرح قرآن کا کفران کفر ہے قدیم کتابوں کا نہ ماننا بھی کفر ہے یہ ادب یہ عزت یہ رواداری کیا اسلام کے باہر بھی کہیں مل سکتی ہے؟

آسمانی کتابیں بھی اگرچہ غیر محدود ہیں تاہم تخصیص کے ساتھ جن کتابوں کا قرآن مجید میں نام آیا ہے وہ چار ہیں، توراۃ، یا صحف موسیٰؑ، زبور، انجیل اور قرآن۔ ان کے علاوہ ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کا ذکر آیا ہے، لیکن ان کے نام درج نہیں ہیں، بعض آیتوں میں صرف اگلے صحیفوں یا اگلوں کی کتابوں کا حوالہ آیا ہے، بعض آیتوں میں اجمالاً پیغمبروں کی طرح کتابوں کا بھی ذکر آیا ہے، لیکن سب جگہ اُن کی صداقتوں کو تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس لیے قرآن مجید پر ایمان لانے والے مسلمان مجبور ہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم سے پیشتر کی کتابوں کو اجمالاً یا تفصیلاً خدا کی کتابیں سمجھیں اور دوسری ایسی کتابوں کو جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں، گو اُن کا ذکر قرآن میں نہ ہو جھٹلانا کہیں کیونکہ ان کا بھی خدا کی کتاب ہونا ممکن ہے؛

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام نے دنیا کے تمام مذاہب حقہ کو ایک سمجھا ہے، کیونکہ خدا جو ان تعلیمات کا سرچشمہ ہے، ایک ہے، تمام رسول اور پیغمبر جو اس سرچشمہ سے سیراب ہیں، مقصد کے لحاظ سے متحد ہیں، یعنی سب کا مقصد ایک اور سلیم ایک ہے، اس لیے تمام کتابیں جو ان رسولوں کے ذریعہ سے دنیا کو دی گئیں، اور جو احکام انھیں بتائے گئے وہ بھی یقیناً ایک تھے، اس حقیقت کو کہ تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی، قرآن مجید میں متعدد جگہ صاف صاف بیان کیا گیا ہے، اس بنا پر اسلام اُسی ایک مذہب کا نام ہے جو حضرت آدمؑ حضرت محمد رسول اللہ صلعم تک باری باری پیغمبروں کے ذریعہ سے آتا رہا، اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی۔

دعوتِ اتحاد میں اصول اور فروع کی صحیح حیثیت

اس مقام پر ایک نکتہ بیان کرنے کے قابل ہے

قرآن مجید نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کیے ہیں دینؔ اور شرعۃؔ، منسکؔ و منہاجؔ ان میں سے مراد مذہب کے وہ بنیادی امور ہیں جن پر تمام مذاہب حقہ کا اتفاق ہے، مثلاً خدا کی ہستی، اُس کی توحید، اُس کے صفاتِ کاملہ، انبیاءؑ کی بعثت، خدا کی خالص عبادت حقوقِ انسانی، اخلاقِ اچھے اور بُرے اعمال کی بازپرس جزا و سزا، یہ وہ اصل دین ہے جس میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی، اسی کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آئے، اس میں زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہیں، نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں کوئی اختلاف ہوا، وہ ہر زمانہ اور ہر مقام میں یکساں رہا، اور وہاں کے پیغمبروں نے اس کی یکساں تعلیم دی، اب اگر اُس میں کسی جہت سے کوئی اختلاف ہے تو یا تو طریقۂ تعبیر کی غلطی ہے، یا باہر کی چیزیں اس میں مل گئی ہیں، اور اس کی اصلی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا ہے؛

دوسری چیز یعنی شرعۃ، منہاج اور منسک وہ جزئیاتِ احکام ہیں جو ہر قوم و مذہب کے زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں،

(باقی صفحہ پر)

اس شمارے میں

۱	رسولؐ و وحدت	مولانا سید سلیمان ندوی	۲
۲	دینی مدارس میں اصلاح نصاب	ع ع ن ے	۵
۳	رپورٹ ناظم ندوۃ العلماء	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۷
۴	ندوۃ العلماء کا مسلک	(ماخوذ)	۱۱
۵	دارالعلوم ندوۃ العلما اور اصلاحِ نصاب	مولانا محمد رابع ندوی	۱۲
۶	دینی تعلیم... اور تقاضے	مولانا سید سلیمان ندویؒ	۲۰
۷	دینی تعلیم ...ایک اہم پہلو	شمس الحق ندوی	۲۲
۸	آزادئ نسواں	مولانا محمد تقی عثمانی	۲۴
۹	اصلاح معاشرہ کی تحریک کا آغاز	مولانا عزیز الحسن صدیقی	۲۶
۱۰	مولانا محی الدین منیری کی وفات	(ادارہ)	۲۷
۱۱	سوال و جواب	محمد طارق ندوی	۲۸
۱۲	عالمی خبریں	سعید اشرف ندوی	۲۹
۱۳	مطالعہ کی میز پر	ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی	۳۰

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/۱۰ روپئے کے حساب سے زرضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخِ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr Mohd. AKRAM NADVI Sb.
O.c.I.S.
10 - St. Cross Road
Oxford OXI 3T4 - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
- Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
- Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A)

اداریہ

دینی مدارس میں اصلاح نصاب کی کوشش

الحمدللہ کہ آج سے ایک صدی پہلے ندوۃ العلما نے اصلاح نصاب تعلیم کی جو آواز بلند کی تھی، آج وہ ملک کے اندر اور ملک کے باہر احترام و مقبولیت حاصل کر رہی ہے، متعدد اسباب کی بنا پر یہ آواز عرصہ تک نامانوس رہی، حالانکہ ندوہ نے کسی بدعت کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور نہ انگریزی حکومت سے مرعوب ہو کر معذرت کے طور پر کوئی نظریہ پیش کیا تھا، اصلاحِ نصاب کی تحریک کا خلاصہ یہ تھا کہ علم دین عبارت ہے قرآن کریم اور سنتِ نبوی سے، اور ان دونوں سے جو احکام شریعت مرتب کئے گئے ہیں ان سے واقفیت دینی تعلیم کا حاصل ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے ایک عجمی ملک کے باشندوں کو عربی زبان و ادب سے واقفیت کلیدی حیثیت رکھتی، عربی زبان سے واقفیت اس درجہ ہونی چاہئے کہ قرآن کریم کی بلاغت جو معجزہ ہے وہ نظری نہ رہے بلکہ بدیہی حقیقت معلوم ہو، قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور آپؐ کی نبوت کی دلیل ہے، معجزہ کو بدیہی ہونا چاہئے، یہ ایمان بالغیب کے ضمن میں نہیں آتا، اس کا مشاہدہ شعوری اور حسی ہونا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ ندوہ نے اپنے نصاب میں نثر عربی کے مختلف نمونے کثرت سے رکھے ہیں، اشعار کا وہ ضروری حصہ رکھا ہے جس سے شعر فہمی اور عربی انداز بیان کا علم ہو، اور جس سے ان کے اندر قوت تمیز بیدار ہو اور قرآن مجید و حدیث کی بلاغت پر یقین حال بن جائے، نحو، بلاغت کی طرف خصوصی اعتنا اسی عقیدہ کا مظہر ہے، وہ علوم قدیمہ جو مسلمانوں نے تیسری صدی ہجری میں یونان سے اخذ کئے تھے تاکہ اس وقت کے معاندین اسلام کو انہی کی منطق سے قائل کریں اور کتاب و سنت کی برتری ثابت کریں، وہ فنون اپنی معنویت ختم کر چکے ہیں اور ان کی جگہ الحاد کے نئے فلسفہ سامنے آئے ہیں، لہٰذا اگر معاندین سے مواجہہ کرنا مقصود ہے تو ان کے مورچوں پر مقابلہ کرنا ہوگا، نہ کہ ان مورچوں پر اپنی طاقت و ذہانت صرف کرنا جس کو دشمنوں نے خود چھوڑ دیا، اور نہ وہ اس راہ سے اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور "وما أرسلنا برسول إلا بلسان قومه" ——— اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا ——— کی حکمت بتائی ہے کہ جو لوگ بھی کارِ نبوت (دعوت و تبلیغ) ادا کرنے کی تربیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو دشمن کی زبان اور اس کے فلسفہ اور ٹیکنک سے واقفیت حاصل کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح قدماء کے عصر میں یونانی منطق و فلسفہ سے واقفیت لازمی سمجھی جاتی تھی۔

ندوہ نے اپنے نصاب میں زبان و ادب پر خصوصی توجہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی وجہ سے دی ہے تاکہ ان کی برتری ذہن پر نقش ہو جائے، چونکہ اس نصاب کا مقصد کتاب اللہ کی عظمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی اہمیت کو سمجھانا ہے اس لئے قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر ابتدائی درجوں سے شروع ہو کر آخری درجوں تک مسلسل بلاانقطاع موجود ہے، احادیث نبویہ کے مجموعے بھی اسی طرح تسلسل کے ساتھ نصاب میں رکھے گئے ہیں، فقہ کی مروجہ کوئی اہم کتاب جیسے شرح وقایہ اور ہدایہ کبھی کسی زمانہ میں نصاب سے خارج نہیں رہی۔

اب تک علمائے ندوہ کی خدمات کا میدان قرآن کریم کی تفسیر اور ادب عربی (جو قرآن کریم سے قریب کرے) رہا، عربی صحافت اور عربی خطابت پر خصوصی توجہ اسی لئے رکھی گئی کہ قرآن کریم کی زبان سے ہر قسم کا ذوقی و علمی و وجدانی تعلق قائم ہو جائے۔

اب کچھ عرصے سے علمائے ندوہ نے احادیث و فقہ میں تالیف کی طرف توجہ کی تو تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے اہم کارنامے سامنے آگئے ہیں، ڈاکٹر مولانا لقمان اعظمی ندوی کی کتاب "دراسات فی الحدیث" اپنے موضوع پر تحقیقی اور مکمل کتاب ہے، اس سے بڑھ کر ان کی کتاب "مجمع المدینۃ فی عصر الرسول" نے علمائے ازہر سے زبردست خراج تحسین حاصل کیا ہے، ڈاکٹر مولانا تقی الدین ندوی نے شرح موطا ابن امام مالک پر تین جلدوں میں تعلیق کا کام کیا ہے۔ نئے استادوں میں مولوی ابوسحبان ندوی نے "المرشد الی تہذیب الاخلاق" بلوغ المرام کے طرز پر بہترین شرح لکھی ہے،

مولانا سلمان حسینی ندوی نے اصولِ حدیث پر جو کتابیں ہیں ان میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے، ڈاکٹر علی احمد ندوی نے "القواعد الفقہیہ" پر جو تحقیقی کام کیا ہے اس کی تحسین علمائے مصر و شام نے کی ہے، فقہ میں مولانا شفیق الرحمٰن ندوی نے "الفقہ المیسر" لکھ کر ایک کامیاب نصاب کی کتاب تیار کر دی۔ اور اس طرح کے علمی کام جاری ہیں۔

مولانا ولی اللہ ندوی حال استاذ حدیث فرع جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض رأس الخیمۃ امارات" کی کتاب "نبوات الرسول قابلِ ذکر ہے۔

ندوہ نے اس خطِ مستقیم پر اپنا سفر جاری رکھا اور اپنے نصاب تعلیم کو ہر مرحلہ پر جانچا اور اس کی افادیت کا جائزہ لیتا رہا، یہاں تک کہ اس نے ادبِ عربی کا مکمل نصاب تیار کیا اور اس کو مقبولیت حاصل ہوئی، عرب علماء و مفکرین اور فنی و درسی کتابوں

کے مصنفین نے اس کی تحسین ہی نہیں بلکہ اپنے یہاں ان کو داخلِ نصاب کرنے کی سفارش کی، ایک زمانہ تھا کہ ہم مصر کی ریڈریں ابتدائی اور متوسط درجات کے لئے قبول کرنے پر مجبور تھے، آج وہاں ہماری ریڈریں اور نثری مجموعے مقبول ہو رہے ہیں، یہ بات تعلّی و تفاخر کے جذبہ سے نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر دہرائی جا رہی ہے۔

اس ملک میں اب تک اصلاحِ نصاب کی مخالفت کی گئی، اور اب اس کی افادیت تسلیم کی جا رہی ہے گو زبان سے نام نہیں لیا جاتا مگر عملاً تسلیم کیا جا چکا ہے، قدیم نصاب کی حمایت میں جو سب سے بڑی اور قوی دلیل تھی وہ یہ کہ فلاں فلاں اہل اللہ، اہلِ دل، اہلِ علم و معرفت اسی نصاب سے پیدا ہوئے۔

حالانکہ یہ ایک خطرناک قسم کا مغالطہ ہے، وہ حضرات نفوسِ ذکیرہ اپنے خاندانی ماحول، بزرگانِ سلسلہ کی تربیت، اہل اللہ کی صحبت اور ذکر و ریاضت کی وجہ سے اس پایہ پر پہونچے تھے، اس نصاب کی وقعت ان سے بڑھ گئی، کسان کے عہد میں بھی نصاب جاری تھا، مگر ان کا قدسی صفات ہونا اس نصاب کا نتیجہ نہیں تھا، چونکہ اس جماعت میں وہ حضرات بھی ہیں بلکہ سرخیل صوفیا ہوئے ہیں، جن کی مدرسی تعلیم محدود تھی، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ رحمہم اللہ، یا ایسے بھی نفوسِ قدسیہ گذرے ہیں جو تقریباً امی تھے، جیسے حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمہ اللہ اور ایسے بھی اولیا گذرے ہیں جن کی تعلیم سراسر عصری تھی۔ حضرت تھانویؒ کے خلفاء و مجازین میں متعدد ایسے افراد گذرے ہیں، لیکن عوام کو یہی باور کرایا گیا، اور عرصہ تک غلط فہمی رہی، اور کچھ لوگ کارِ ثواب سمجھ کر اصلاحِ نصاب کی دعوت کی مذمت اسی بنیاد پر کرتے رہے، لیکن جیسے جیسے علمی سطح بلند ہو رہی ہے، عناد و مخالفت کے بادل چھٹ رہے ہیں، اس وقت سو سے زیادہ ایسے مدارس ہیں جہاں ندوہ کا نصاب پڑھایا جا رہا ہے، پاکستان، بنگلہ دیش سے آگے ملیزیا اور انڈونیشیا میں بھی ندوہ کے منہج و نصاب کے مطابق مدارس قائم ہو رہے ہیں۔

یہ ذکر ہم کسی فتح مندانہ جذبہ سے نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی خدمات کو تیز کرنے اور بڑھانے کا یہ موقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل رہا ہے، اور جو لوگ اصلاحِ نصاب کی ضرورت کے منکر تھے اور اب تسلیم کر رہے ہیں، یہ ان کی صواب دید کی بات ہے۔

لہ استاذ حدیث جامعۃ العین (امارات)۔

کعبہ پہ پڑی جب پہلی نظر ۔ جمیل احمد

کعبہ پہ پڑی جب پہلی نظر — کیا چیز ہے دنیا بھول گیا
یوں ہوش و خرد مفلوج ہوئے — دل ذوقِ تماشا بھول گیا
پھر روح کو اذنِ رقص ملا — خوابیدہ جنوں بیدار ہوا
تلوؤں کا تقاضا یاد رہا — نظروں کا تقاضا بھول گیا
احساس کے پردے لہرائے — ایماں کی حرارت تیز ہوئی
سجدوں کی تڑپ اللہ اللہ — سر اپنا سجدہ بھول گیا
جس وقت دعا کو ہاتھ اُٹھے — یاد آ نہ سکا جو سو چاہا تھا
اظہارِ عقیدت کی دُھن میں — اظہارِ تمنا بھول گیا
پہونچا جو حرم کی چوکھٹ تک — اک ابرِ کرم نے گھیر لیا
باقی نہ رہا یہ ہوش مجھے — کیا مانگ لیا کیا بھول گیا
ہر وقت برستی ہے رحمت — کعبہ میں جمیل اللہ اللہ
خاطی ہوں میں کتنا بھول گیا — عاصی ہوں میں کتنا بھول گیا

کعبہ پہ پڑی جب پہلی نظر!
کیا چیز ہے دنیا بھول گیا

(حضرت مولانا) سید ابوالحسن علی ندوی

رپورٹ ناظمِ صاحب ندوۃ العلماء

ذیل کا مضمون ندوۃ العلماء کی وہ مفصل رپورٹ ہے جو حضرت مولانا مدظلہ العالی نے ۲۸، ۲۹ جولائی کو ہونے والے جلسہ انتظامیہ میں پیش فرمایا یہ کوئی رسمی رپورٹ نہیں بلکہ ایک چشم کشا مضمون ہے جو ہدیہ ناظرین ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وأصحابہ وسلم۔

حضرات ارکان مجلس انتظامی ندوۃ العلماء و سرپرستان و مشیران و معاونان تحریک و ادارہ و رفقائے کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واھلاً وسہلاً و مرحبا بکم۔

خاکسار خادم (بنام ناظم) ندوۃ العلماء اپنے اور اپنے رفقائے کار و کارکنان ندوۃ العلماء کی طرف سے آپ کا خلوص دل سے خیر مقدم کرتا ہے، اور اس کا احساس و اعتراف کرتا ہے کہ آپ نے اپنی بیش قیمت مصروفیتوں اور گرانقدر روزہ ڈیوٹیوں سے وقت نکال کر یہاں تک تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی اور اپنی مصروفیتوں، سفر کی صعوبتوں اور عمر و صحت کے تقاضوں اور کاموں کے تنوع کے باوجود جلسۂ انتظامیہ میں شرکت کی دعوت و ضرورت کو ترجیح دی، اللہ تعالیٰ اس بیش قیمت اجتماع اور آپ کے خلوص اور قیمتی تجربات سے استفادہ کی پوری توفیق عطا فرمائے۔ اور جن مقاصد کے لیے اس دعوت و تحریک (ندوۃ العلماء) کا آغاز اور اس علمی تجربہ گاہ اور میدانِ عمل (دار العلوم) کا انتخاب کیا گیا اس کو آپ کے مشورہ اور تعاون سے وسعت اور آپ کی تائید و حمایت سے تقویت و اعتماد حاصل ہو۔

حضرات! ندوۃ العلماء کی تحریک کے آغاز ہی سے دو بنیادی مقاصد تھے اس نصابی تعلیم کی ایسی تشکیل و ترقی جس سے وہ زمانہ کے اُن تغیرات کا جو عہد و ماحول کے تغیّر، قوت حاکمہ کے مقاصد و اثرات، مروّجہ نظامِ تعلیم اور جدید ادبی، علمی، فکری تاریخی اور تہذیبی لٹریچر اور ابلاغ اور اشاعت کے ذرائع کا نتیجہ ہیں، مقابلہ کیا جا سکے اور احساس کہتری اور اس سے بڑھکر اعترافِ قدامت و فرسودگی کے احساس سے مدارسِ دینیہ کے فضلاء اور دین کے داعیوں اور نمائندوں کو بچایا جا سکے، اور اس دورِ انقلاب میں نہ صرف صلاحیتِ بقا بلکہ صلاحیتِ قیادت اور اس سے بڑھکر ضرورتِ قیادت پر نہ صرف اعتماد بحال کر سکے بلکہ اس کا داعیہ اور عزم و جوش پیدا کر سکے۔ اس کے لیے نصابِ تعلیم میں نہ صرف تغیّر و اضافہ کی جرأت کرے۔ (جس پر عمل ہندوستان کے مروّجہ دینی نصابِ تعلیم میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے[1]) بلکہ وہ ایک علمی، فکری، دعوتی و تعلیمی فضا بھی وجود میں لائے اور ایسا علمی مواد لٹریچر بھی تیار کرے جس سے یہاں کے فضلاء نہ صرف اس برصغیر میں اور اس کے ملحقہ مسلم اکثریت کے علاقوں میں بلکہ ترقی یافتہ ممالک عربیہ اور اس سے آگے بڑھکر یورپ و امریکہ میں بھی اسلام کی تفہیم کا فرض اور خدمت انجام دے سکیں۔ اور غیر اسلامی بلکہ مخالف اسلام علمی اور فکری تحریکوں اور مغربی افکار و تہذیب کی دعوتوں کا مقابلہ کر سکیں الحمد للہ ندوۃ العلماء نے اپنے نصاب کے لئے بھی ایسی کتابیں تیار کیں اور ان کو داخلِ درس کیا اور ان کی اشاعت کا بھی انتظام کیا، جن کی نہ صرف ممالک عربیہ کے علمی و دینی حلقوں نے قدر کی اور اپنے متعدد جامعات و مدارس میں داخلِ نصاب کیا، بلکہ ایک انگریزی، فرانسیسی، جرمن، ترکی اور انڈونیشی زبان میں ترجمے ہوئے اور ان سے نئی نسل کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا۔ معتبر ذرائع اور شاہدین اور بعض ممتاز ترین علمائے روس و ازبکستان کے خطوط اور زبانی گفتگو سے معلوم ہوا کہ ازبکستان اور روس میں بھی ندوۃ العلماء کے نصاب کی بعض کتابیں خصوصاً قصص النبیین اور مختارات کئی سال سے پڑھائی جاتی ہیں اور مکاتب و مدارس میں داخلِ نصاب ہیں۔ طوالت کے خیال سے ان کی تفصیل سے معذرت کی جاتی ہے، فضلاء عرب اور مغربی ممالک کے تعلیمی و اشاعتی اداروں کے ذمہ داروں کے اعترافات اس سلسلہ میں بعض رسائل و مضامین میں آچکے ہیں، اس سلسلہ میں عربی زبان کی ریڈریں

انبیاء علیہم السلام کے قصص، سیرت نبوی (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) تاریخ اسلام کے مؤثر ترین اور چیدہ واقعات کے مجموعے، ادب عربی کے قدیم ذخیرہ کا از سر نو جائزہ اور اس کے منتخبات، قرآن مجید کے معجزانہ اسلوب دعوت اور مطالعۂ قرآن کے اصول و مبادی اور اس کے اعجاز کی بدیہی و ناقابل انکار شہادتوں پر مشتمل کتاب[1]، اور اب حدیث نبوی کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کے ذرائع، اس کے جامعین (اعلی اللہ مراتبہم) اور ان کی مختلف اور خارق عادت امتیاز کے نمونوں کے تعارف اور حدیث سے فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہونچانے کے ذرائع وطرق سے واقف ہونے اور انکار حدیث کے فتنہ سے تحفظ اور اس کے مقابلہ کی اہلیت پیدا کرنے کی غرض سے نئی کتاب المدخل الی دراسات الحدیث النبوی الشریف کے نام سے تیار ہوگئی ہے، جو زیر طباعت ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اس ادبی امتیاز اور عربی ادب کو دین کے رنگ کے ساتھ اور بامقصد طریقہ پر پیش کرنے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ عالم عربی و اسلامی کے پیمانہ پر جب مکۂ معظمہ میں ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں ممتاز سعودی جامعات کے اساتذۂ کبار اور ادباء کی خواہش و فرمائش پر رابطۃ الادب الاسلامی کا قیام طے ہوا تو اس کا صدر عام، اسی تحریک و ادارہ (ندوۃ العلماء و دارالعلوم) کے ذمہ دار کو منتخب کیا گیا اور عجمی ممالک کے لیے ذمہ دار اور سکریٹری اسی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ممتاز استاد ادب عربی مولوی سید محمد رابع ندوی کو نامزد کیا گیا، اس رابطہ کی باقاعدہ تأسیس کا جلسہ دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں منعقد ہوا۔ جس میں متعدد ممتاز ترین عرب ادباء و فضلاء نے شرکت کی اس میں رابطہ کی باقاعدہ بنیاد پڑ گئی، اب بلاد عربیہ سے اس کا شاندار آرگن "الادب الاسلامی" کے نام سے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے اردو میں "کاروان ادب" کے نام سے ایک موقر رسالہ نکلتا ہے، ماضی میں اس کے جلسے دو بار استنبول (ترکی) میں پھر قاہرہ میں، چانگام میں، اور سعودی عرب میں ہو چکے ہیں، ہندوستان کے مرکزی مقامات پر مختلف موضوعات پر اس کے تو جلسے ہوئے جن میں یونیورسٹیوں کے ممتاز اساتذہ اور ملک کے فضلاء نے شرکت کی، قریبی مدت میں اس کا ایک جلسہ لندن میں اور پھر مراکش میں ہونیوالا ہے۔

اس سب کے ساتھ یہاں سے نکلنے والے دو عربی رسائل "البعث الاسلامی" اور "الرائد" کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو اکثر ممالک عربیہ میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور ان کے مضامین وہاں کے اخبارات و رسائل میں نقل کئے جاتے ہیں، دینی حمیت اور فکر اسلامی رکھنے والوں کے بڑے ہمت افزا اور تعریف و اعتراف کے خطوط آتے رہتے ہیں، اسی کے ساتھ اردو کے رسالہ "تعمیر حیات" کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جس کے مضامین و مشتملات موقر اخبارات و رسائل میں نقل کئے جاتے ہیں اور رسالہ کو خاصی وقعت اور قدر دانی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

تحدیث بالنعمہ کے طور پر یہ بھی عرض کیا جاتا ہے کہ دارالعلوم میں درجہ حفظ خدا کے فضل سے بہت اچھا کام کر رہا ہے، اس میں طلبہ کی تعداد دو سو تک ہوگئی ہے، جو پورے انہماک و مستعدی کے ساتھ حفظ قرآن میں مشغول ہیں، دارالعلوم کی وسیع مسجد ان کی تلاوت و قراءت سے گونجتی رہتی ہے تجوید و قراءت کی تعلیم کا بھی انتظام ہے۔

دوسرا نیا اضافہ "دارالقضاء الشرعی" کا قیام ہے جس میں دارالعلوم ہی کے اساتذہ اور فقہ و افتاء کا کام کرنے والے مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کا کام کرتے ہیں ان کی طرف اچھا رجوع ہے اور شہر و بیرون شہر کے مقدمات اور عائلی تنازعات آتے رہتے ہیں۔

تیسرا قابل ذکر شعبہ اور مرکز استفادہ و مطالعہ "المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی" ہے جس میں ذہنی تغذیہ اور فکر پیدا کرنیوالا، ذہنوں کی تعمیر کرنے والا اور اسلام کیلئے جو تحریکیں اور دعوتیں خطرناک ہیں ان کے بارہ میں معلومات حاصل کرنے والا، اور ان کا مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا کرنے والا لٹریچر، عربی رسائل و کتب کی شکل میں اچھی تعداد میں موجود ہے، اس ذخیرہ سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے دارالعلوم کے غیر ملکی طلبہ ہیں جو ان کتابوں اور رسائل کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان میں اپنے ملک میں اسلام کی جانب سے، عصر حاضر کی زبان اور نئی معلومات کی روشنی میں مقابلہ کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔ امید ہے اور اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ یہ اپنے وطن جاکر ان چیلنجوں کا مقابلہ کرسکیں اور ان کو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو متأثر و مطمئن کرنے کی توفیق ہو اور وہ دین کے داعی اور شارح و ترجمان بن سکیں، اس اندرونی سعی و خدمت اور اس کے

نتائج کے اظہار کرنے کے بعد اراکین کرام کے نہ صرف معلومات بلکہ مسرت و انبساط کے لیے عرض کیا جاتا ہے کہ ندوۃ العلماء کے تعلیمی تمثیل کو اندرون و بیرون ہند میں بھی مقبولیت اور ترجیح و انتخاب کا شرف حاصل ہوتا جارہا ہے، اندرون ملک میں برابر نئے نئے مدارس اسکے نصاب کو قبول کرکے اس سے اپنا الحاق کراتے جارہے ہیں، بیرون کے بھی کئی ممالک میں ایسے مدارس قائم ہوگئے ہیں جنھوں نے اس کا نصاب اور تعلیمی تمثیل قبول کیا ہے، مثلاً قدح (ملیشیا) میں "دارالتربیۃ الاسلامیۃ" کے نام سے، چانگام (بنگلہ دیش) میں "دارالمعارف الاسلامیہ" کے نام سے، سنسری نیپال میں "مدرسۃ دارالاسلام" بنکاک تھائی لینڈ میں "کلیۃ العلوم الاسلامیہ" کے نام سے مدارس قائم ہوئے ہیں، جنوبی افریقہ میں تو ایک ایسا مرکز قائم ہوگیا ہے[2]، جو ندوۃ العلماء کے تخیل کے مطابق مدارس قائم کرتا ہے اور اس میں اسی تخیل کے مطابق اسلامیات اور زبان و لٹریچر کے موضوعات پر نصابی کتابیں انگریزی میں تیار کی جارہی ہیں اور ان کو یورپ و امریکہ تک پھیلایا جارہا ہے، مولوی ریاض امریکی ندوی مقیم آکسفورڈ برطانیہ کی طرف سے بھی اس کی پیش کش آئی ہے لیسٹر (لندن) سے بھی پیش کش ہے۔

جہاں تک دین و ملت کے تشخص کی حفاظت اور شریعت پر عمل کرنے کی آزادی کی تحریک کی کوشش کا تعلق ہے، ندوۃ العلماء نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ شروع سے تعاون کیا اور اس کی صدارت کی ذمہ داری بھی (جو ایک بڑا شرف ہے) اسی کے ایک ذمہ دار کے حصہ میں آئی، اب آپ کے اس جلسہ کے متصلاً بعد اصلاح معاشرہ کی ہند گیر کانفرنس بھی اسی دارالعلوم کے احاطہ میں منعقد ہونے والی ہے اور آپ سے اس میں شرکت کی درخواست ہے۔

اس سب کے ساتھ "پیام انسانیت" یعنی ملک میں معتدل حالات پیدا کرنے، احترام انسانیت کا پیغام دینے اور مختلف مذاہب اور طبقوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ پر آمادہ کرنے کی (جو ملک کی ایک ایسی ضرورت ہے، جس پر نہ صرف اس کے ارتقاء بلکہ حیات و بقا کا انحصار ہے) تحریک و کوشش بھی یہیں سے شروع ہوئی، غیر مسلموں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں صحیح معلومات پیش کرنے اور غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کے ازالہ کا کام بھی، انگریزی، اردو، ہندی میں یہیں کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے فکر و تعاون سے انجام پا رہا ہے اور خاصا لٹریچر تیار ہوگیا ہے، اور "مجلس تحقیقات و نشریات" کا قیام (جو وقت کا ایک اہم ترین تقاضا اور وقیع و موثر لٹریچر کی تصنیف و اشاعت کا ادارہ ہے) دارالعلوم ہی کے احاطہ میں وجود میں آیا۔ اور وہ اسی کے مکانی رقبہ میں قائم اور سرگرم عمل ہے۔

ندوۃ العلماء باؤنڈری کے اندر واقع درجات اقامت گاہوں میں طلبہ کی تعداد دو ہزار تک پہنچ رہی ہے، باؤنڈری سے باہر شہر میں جو مکاتب ہیں ان کی تعداد شامل کیجائے تو یہ تعداد تین چار ہزار کے درمیان پہنچتی ہے، ملحقہ مدارس جو ملک کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے طلبہ کی تعداد شمار کی جائے تو دس، بارہ ہزار تک پہنچتی ہے، ندوۃ العلماء اپنی باؤنڈری میں اور شہر کے اندر قائم مدارس کو اخراجات برداشت کرتا ہے، ملحقہ مدارس کو صرف علمی و اخلاقی تعاون دیتا ہے، اور جب ان میں کسی کو شدید ضرورت پیش آتی ہے تو محدود نقد سے مالی مدد بھی کردیتا ہے، ان تمام امور اور ذمہ داریوں کی بنا پر ندوۃ العلماء کا بجٹ بہت بڑا بننے گا ہے آمدنی کے ذرائع بڑھانے کی کوششیں جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان میں کامیابی عطا فرمائے

بڑی کوتاہی اور ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس موقع پر اپنے ان مخلص و بلند حوصلہ ارکان انتظامی اور معاونین کا شکریہ ادا نہ کریں جو اس کی آمدنی کے ذرائع کو وسعت و ترقی دینے میں کوشاں رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس کا پورا اجر عطا فرمائے اور خود ان کے کاموں میں برکت دے۔

آخر میں راقم سطور اپنا خوشگوار اور مسرت افزا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہے کہ دارالعلوم کے کارکنوں اور اپنے معاونین خصوصی میں چند شخصیتوں کی خدمات اور تعاون کا اعتراف و اظہار کرے اور ان کا شکریہ ادا کرے اور ان کے لیے خود دعا کرے اور حضرات ارکان اور ہمدردان ندوۃ العلماء سے بھی اس کی درخواست کرے ان میں سے ایک مولانا معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء ہیں جو بلا معاوضہ اعزازی طور پر ندوۃ العلماء اور دارالعلوم کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور پورے طور پر وہ ناظم کے شریک کار اور ندوۃ و دارالعلوم کے ذمہ دار ہیں، دوسرے ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیم ہیں جو یہاں کے تعلیمی امور، نصاب اور اساتذہ کی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہیں، وہ ناظم کے مشیر تعلیمی اور علمی معاون ہیں، اپنے خرچ سے وہ سعودی عرب سے ہندوستان کا سفر کرتے ہیں۔ اور زمانہ قیام میں بھی اپنے مصارف کا بار ادارہ پر نہیں ڈالتے، پروفیسر وصی احمد کاندھ سے خاندانی تعلق بھی ہے اور آپ کے ذاتی علمی و اخلاقی تعاون سے

ندوہ فائدہ اٹھا رہا ہے جو ہر طرح سے قابلِ قدر ہے۔

اخیر میں معذرت کے ساتھ لیکن ضرورت کے پیشِ نظر عزیز القدر مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی کا ذکر کرنا بھی اخلاقی فرض سمجھتا ہوں جنھوں نے مولانا محب اللہ صاحب ندوی مرحوم کے بعد جنکی مغفرت اور رفع درجات کے لیے آپ سب سے دعا کی درخواست ہے) اہتمام کا بار اٹھایا ہے اور اس کو خوش اسلوبی، فرض شناسی اور مستعدی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں (أعانه الله ووفقه وبارك في حياته) اسی کے ساتھ ہم اساتذہ دارالعلوم، کارکنوں اور ذمہ داروں کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں اور انکی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں جو نہایت خلوص وایثار اور فرض شناسی ومستعدی کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خدمت میں مشغول ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه اجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حواشی:

۱؎ :- جس کی تصدیق اور اس کی مثالیں راقم کے والد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب کے اس مقالہ میں دیکھی جاسکتی ہیں جو پہلے قدیم رسالہ "الندوۃ" میں شائع ہوا تھا، اور پھر علیحدہ سے شائع ہوا۔ اور گذشتہ جلسۂ انتظامی میں ارکان کی خدمت میں پیش کیا گیا، جو اس موضوع پر ممتاز ترین فاضلانہ ومحققانہ مضمون ہے۔

۲؎ اشارہ راقم السطور کی عربی کتاب المدخل الی الدراسات القرآنیہ کی طرف ہے جو مکتبۃ العلم سے شائع ہوئی، دوبارہ بھی حیدرآباد وکشمیر اسلام ندوۃ العلماء کی جانب سے اضافوں اور چند اہم مواد ومضامین کے ساتھ قاہرہ کی طرف سے شائع ہوئی، اردو میں وہ "مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم محقق وناقد ابوالحسن بن علی الرمانی کی کتاب النکت فی اعجاز القرآن کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا۔ جو فاضل عزیز مولوی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی تحقیق وتشریحات واضافات کے ساتھ "کلیۃ الادب" دارالعلوم کی طرف سے شائع ہو چکی ہے جو داخل نصاب ہے۔

۳؎ اس کے مؤسس وبانی مولوی علی آدم ندوی ہیں۔ ان کے قائم کئے ہوئے تعلیمی ادارے جنوبی افریقہ میں، برطانیہ میں اور بعض امریکہ میں بھی قائم ہوتے جارہے ہیں۔

(بقیہ)

رسولِ وحدت

مثلاً عبادت الٰہی کے طریقوں میں ہر مذہب میں تھوڑا تھوڑا اختلاف موجود ہیں، عبادت کی سمتیں الگ الگ ہیں، اعمال فاسدہ کے انسداد کی تدبیریں جدا جدا ہیں؛

اب مذاہب کے اختلاف کا قرآنی نقطۂ نظر سے یہ مطلب ہے کہ اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے نا قابل تبدیل اور نا قابل تغیر ہے، البتہ متفقہ حصول مقصد کے راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانوں میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے تو بدلتے رہے ہیں، انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا ہے کہ وہ اسی ازلی اور ابدی صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں اور دین کو اصل مرکز پر قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی قوم ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو ان کے لیے مناسب ہوں ان کو بتائیں اور سکھائیں؛

انبیاء کا یکے بعد دیگرے ظہور اور اس کی وجہ

انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اسی وقت بھیجا گیا ہے جب پہلا صحیفۂ وحی کھو گیا ہے یا ذہنی تحریفات اور دستی تصرفات سے ایسا بدل گیا ہے کہ اصلیت مشتبہ ہو گئی ہے، حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کے گم ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل ہوئی اور جب اس میں اختلافات پیدا ہوئے تو زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے جو عہد نامۂ قدیم میں موجود ہیں، پھر اس کی تکمیل کیلئے انجیل آئی اور جب اس میں بھی انسانی تصرفات کا دخل ہو گیا تو قرآن اترا یہ ہم نے جو کچھ بیان کیا، مثلاً بیان کیا ہے، دوسرے ملکوں اور مذہبوں میں بھی یہی صورت پیش آئی ہوگی، مذہبی عقیدہ سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم ہندوستان کی تاریخ میں بھی اس صورت کو دیکھ سکتے ہیں ویدوں کی تعلیم کے برخلاف جو بُت پرستی اس ملک کے تمام اطراف وجوانب میں پھیلی ہوئی تھی اس کی مخالفت میں اسلام سے پہلے بھی بہت سے مصلحین پیدا ہوتے رہے جنھوں نے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کی شدید مخالفت کرکے لوگوں کو ایک خدا کا ایمان لانے کا مشورہ دیا، چنانچہ قدیم ہندو لٹریچر میں جا بجا ہم کو رنگ توحید کی جھلک نظر آتی ہے: مسلمانوں کے داخلۂ ہندوستان کے بعد ہندوؤں میں ایسی جماعتیں تیار ہونے لگیں جن کا مسلک قدیم مروجہ دھرم کے منافی تھا۔ چودھویں صدی عیسوی میں رامانند رسنیاسی نے اصول توحید پر ایک نئی جماعت قائم کی جس کا خیال یہ تھا کہ دنیا کے تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہے! پندرہویں صدی میں کبیر نے ہندوؤں کی بت پرستی اور دھرم شاستر کا خاکہ اُڑایا اور مسلمانوں کو ان توہمات سے آگاہ کیا۔ جن میں وہ مذاہب کے نام سے گرفتار ہو گئے تھے، اس طرح ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی تفرقات کو ہالائے طاق رکھنا۔ کبیر کا خاص مقصد معلوم ہوتا ہے، جو اسلام کی تعلیم کا مقصد اولین تھا، سکھ مذہب کی ابتدا بھی اسی اسلامی اثر کے ماتحت معلوم ہوتی ہے، اور اب بھی جہاں کہیں سے یہ آواز آرہی ہے وہ اسلام ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

(باقی آئندہ)

ندوۃ العلماء کا مسلک

• دین وعقائد کے معاملہ میں ندوۃ العلماء کے مسلک کی بنیاد دینِ خالص پر ہے، جو ہر قسم کی آمیزش اور آلائش سے پاک، تاویل اور تحریف سے بلند، ملاوٹ اور فریب کی دسترس سے دور اور ہر اعتبار سے مکمل اور محفوظ ہے۔

• دین کے فہم اور اس کی تشریح اور تعبیر میں اس کی بنیاد اسلام کے اولین اور صاف وشفاف سرچشموں سے استفادہ اور اس کی اصل کی طرف رجوع پر ہے۔

• اعمال واخلاق کے شعبہ میں دین کے جوہر ومغز کو اختیار کرنے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنے، احکام شرعیہ پر عمل، حقیقتِ دین اور روحِ دین سے زیادہ قربت اور تقویٰ اور صلاحِ باطن پر ہے۔

• تصور تاریخ میں اس کی بنیاد اس پر ہے کہ اسلام کے ظہور اور عروج کا دور اول سب سے بہتر اور قابلِ احترام دور اور وہ نسل جس نے آغوشِ نبوت اور درسگاہِ رسالت میں تربیت پائی اور قرآن وایمان کے مدرسہ سے تیار ہو کر نکلی، سب سے زیادہ مثالی اور قابلِ تقلید نسل ہے، اور ہماری سعادت ونجات اور فلاح وکامرانی اس بات پر منحصر ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ کریں۔

• نظریہ، علم وفلسفہ، تعلیم میں اس کی اساس اس پر ہے کہ علم بذات خود ایک اکائی ہے، جو قدیم وجدید اور مشرق ومغرب کے خانوں میں تقسیم نہیں کی جاسکتی ہے اگر اس کی کوئی تقسیم ممکن ہے تو وہ تقسیم صحیح اور غلط، مفید اور مضر اور ذرائع اور مقاصد کے اعتبار سے ہوگی، استفادہ اور افادہ اور ترک وقبول کے شعبہ میں اس کا عمل اس حکیمانہ نبوی تعلیم پر ہے کہ "حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے، جہاں بھی وہ اس کو پائے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے"۔ نیز قدیم حکیمانہ اصول "خذ ما صفا ودع ما كدر" پر (یعنی جو صاف ونظیف ہو اس کو لے لو اور جو آلودہ وکثیف ہو اس کو چھوڑ دو)۔

• اسلام کے دفاع اور عصر حاضر کی لادینی قوتوں کے مقابلہ میں اس کی اساس اس ارشاد ربانی پر ہے کہ:-

"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة"

ان کے مقابلہ کے لئے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے تیار کرو۔

• دعوت الی اللہ، اسلام کے محاسن وفضائل کی تشریح اور ذہن وعقل کو اس کی حقانیت وصداقت پر مطمئن کرنے میں اس کا عمل اس حکیمانہ وصیت پر ہے کہ:

"كلموا الناس على قدر عقولهم أتريدون أن يكذب الله ورسوله"۔ [1]

لوگوں سے ان کی عقلوں کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ خدا اور رسول کو جھٹلا دیا جائے۔؟

• عقائد واصول میں وہ جمہور اہل سنت کے مسلک کی پابندی اور سلف کے آراء وتحقیقات کے دائرہ میں محدود رہنا ضروری سمجھتا ہے، فروعی وفقہی مسائل کے بارے میں اس کا مسلک واصول یہ ہے کہ حتی الامکان اختلافی مسائل کو چھیڑنے اور ہر ایسے طرز عمل سے احتراز کیا جائے جس سے باہمی منافرت بڑھے اور امت کا شیرازہ منتشر ہو، سلف صالحین سے حسن ظن رکھا جائے اور ان کے لئے عذر تلاش کیا جائے، اسلام کی مصلحت اجتماعی کو ہر مصلحت پر ترجیح دی جائے۔

مختصر یہ کہ وہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کے علمی وفکری اور کلامی وفقہی مدرسۂ فکر سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے، اس لحاظ سے ندوۃ العلماء ایک محدود تعلیمی مرکز سے زیادہ ایک جامع اور کثیر المقاصد دبستان فکر اور مکتب خیال ہے۔"

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، روداد چمن)

(بقیہ) اصلاح نصاب

..... یہ اس طرح ہو جس طرح عصری درس گاہوں میں گریجویشن کے درجات میں علوم ادبیہ یا سماجی علوم یا سائنسی علوم کی کوئی شاخ اختیار کی جاتی ہے، پھر اعلیٰ اور تخصص کا مرحلہ ہے جس میں اور زیادہ مخصوص جزء کو اختیار کرکے اس میں کمال پیدا کیا جائے موجودہ تعلیمی ڈھانچہ اور مضامین نصاب کے تعلق سے یہ میرا خیال اور اظہار رائے ہے اصل بات تو وہ ہوگی جو اہل فکر بیٹھ کر زیادہ متعین طریقے سے غور کر سکتے ہیں اور اچھے نتیجہ تک پہونچ سکتے ہیں۔" وما علينا إلا البلاغ"۔

دار العلوم ندوۃ العلماء
اور
اصلاح نصاب

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ساتویں صدی عیسوی سے چودھویں صدی عیسوی بلکہ اس کے بعد تک سات آٹھ سو سال مسلمانوں کی طاقت وعظمت دنیا میں اول نمبر کی رہی اور وہ قائدانہ مقام پر رہے، ان کی طاقت وعظمت کا مرکز ثقل بدلتا رہا کبھی بغداد میں کبھی قرطبہ میں اور کبھی قسطنطنیہ میں رہا اور منطقائی سطح پر قاہرہ، سمرقند اور دہلی مسلم طاقت کے مراکز رہے مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں سیاسی قومی علمی اور تمدنی ہر لحاظ سے دنیا سے اپنا لوہا منوایا اور جو غیر مسلم طاقتیں ان سے ٹکراتی رہیں ہمیشہ شکست کھاتی رہیں، یورپ کو ایک طرف ترکوں کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہونا پڑتا تھا اور دوسری طرف اندلسی عربوں کی عظمت وطاقت سے سابقہ پڑتا اور دبنا پڑتا تھا۔

اندلس نے علمی وتمدنی لحاظ سے جو عظمت کا مظاہرہ کیا، وہ یورپ کے لئے رشک کا باعث تھا، چنانچہ یورپ کے نوجوانوں نے اسی کی درسگاہوں سے خوشہ چینی کی اور یورپ جو کہ اس وقت علمی وتمدنی لحاظ سے اندھیروں میں زندگی گذار رہا تھا، بتدریج ان کے کمال علمی اور تحقیق ومطالعہ کی روشنی سے کسب فیض کرنے لگا اور علم وتحقیق کے ذریعہ وہ تفوق وکمال کی طرف گامزن ہوا، پندرہویں صدی سے اس کی اس میدان میں ترقی ظاہر ہونا شروع ہوئی، اور بڑھتی گئی لیکن اسی کے ساتھ دوسری طرف مسلمانوں میں اپنے حال پر اکتفا کر لینے اور علمی وعملی توجہ سے تغافل کی وجہ سے زوال کا سلسلہ شروع ہوا، اور وہ علم وسیاست، طاقت وتدبیر دونوں میں پچھڑتے چلے گئے، اس کے نتیجہ میں بے عملی نااندیشی اور حریف قوموں کے مقابلہ میں ضروری تدبیر وتیاری میں کوتاہی کا شکار ہوتے چلے گئے، وہ قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ سے ناواقفیت کا شکار ہوئے، دوست ودشمن کی تمیز کرنے سے کوتاہ رہے، اس کے نتیجہ میں ان کی طاقت گھٹتی رہی، اور ان کی وحدت بٹتی چلی گئی، بالآخر اندلس سے ان کا چراغ گل ہوگیا، دوسری طرف ترکی کی پرعظمت طاقت میں زوال آتا گیا، اور آخری صدیوں میں اس کی طاقت کم ہوتی گئی، اور گذشتہ ایک صدی کے اندر وہ یورپ کی بڑی طاقتوں کا دست نگر ملک بن کر رہ گیا۔

یورپ نے اپنی ترقی اور کامیابی کے لئے علم وجہد کے تین میدان اختیار کئے، ایک طبیعاتی علوم میں محنت بحر پا جس میں اس نے مختلف سائنسی شعبوں اور ٹکنالوجی میں فتوحات حاصل کیں، دوسرا، فکری میدان تھا جس میں ذہن ودماغ کی کاوشوں کے لئے نئی راہیں نکالنے کا کام کیا لیکن اس میں اس کی اصل کاوش بحث وتحقیق میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے علمی وفکری تفوق کو اپنی نئی تحقیقات سے دبانے اور ان کے اثر کو کم کرنے کی رہی، اور مسلمان اپنی بے توجہی کے سبب اس میدان میں بھی مغلوب ہوتے چلے گئے، تیسرا میدان زبان وادب کا رہا، جس کے ذریعہ یورپ نے اپنی بات کو موثر اور طاقتور ڈھنگ سے پہونچانے اور اثر انداز بنانے کا کام لیا۔

یورپ کے مقابلہ میں اسلام اور مسلمانوں کو جو غیر معمولی نقصان پہونچا وہ خاص طور پر ان تین راہوں سے پہونچا، یورپ نے اقتصادی دسترس حاصل کر کے علوم اجتماعیہ کی راہ سے ذہنوں کو بگاڑنے کی جو کوشش کی اس نے مسلم نوخیز ذہنوں کو خود اپنی تاریخ کے سرمایہ عظمت سے مایوس ومنحرف کیا، اور اس انحراف کی بنیاد پر ان کی ذہنی تشکیل جدید کی، گذشتہ دو صدیوں میں مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کے فکر وتمدن کے پیمانے اور اخلاق وسیرت کی قدریں بدل دیں، اس کی بنا پر کل کے غالب آج کے مغلوب اور کل کے پسماندہ اور جاہل آج کے ترقی یافتہ اور اصحاب علم بن گئے۔

مسلمانوں کے لئے گذشتہ دو سو سال ان کے اکثریتی ممالک میں اور جہاں مسلمان معتد بہ تعداد میں ہیں ان ممالک میں بڑے ادبار اور پستی کے رہے ــــ ان میں غیر ملکی

بلکہ کافر طاقتوں نے مسلمانوں کی پستی سے خوب فائدہ اٹھایا، اور ان کو نہ صرف غلام بنا کر رکھا، بلکہ ان کے مذہب کو اخلاق وثقافت اور ان کی اقتصادی وسیاسی صلاحیتوں کو خصوصی نشانہ بنایا اور ان کی اہمیت وخصوصیت کو نحوہ ان کی نگاہوں سے مخفی کر دیا، ظاہری طور پر مسلمانوں کے باشعور طبقہ نے جگہ جگہ سامراج کے سیاسی واستعماری غلبہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، اور بالآخر مسلمانوں کے ان ملکوں سے سامراجی تسلط ظاہری طور پر ختم ہوا لیکن اس مدت میں یہ سامراج مشرقی قوموں اور مسلمانوں کی فکری وسیاسی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو خاصا نقصان پہونچا چکا تھا، مزید یہ کہ مسلمانوں کی تعلیمی پستی کی بنا پر مغربی سامراج نے اپنی عقلی وثقافتی برتری کو ان ملکوں کے باشندوں پر بٹھا دیا، اور سیاسی اقتدار یہاں سے ہٹ جانے کے باوجود اپنے پورے اثرات ڈالتا رہا، اور یہ سلسلہ تا حال قائم ہے۔

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے کمزور ہونے کے وقت سے ہی مسلمانوں کی اسلامی زندگی کو عقائدی اور اخلاقی سطح پر جو زبردست چیلنج کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اس کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرات علماء ومصلحین نے جن میں خاص طور سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے ذی علم افراد تھے نمایاں تو جو صرف کی اور اس جد وجہد کو جو علمی وتعلیمی بنیاد درکار تھی، وہ مہیا کی، ان کی کوشش سے علم وتعلیم کی جو دلچسپی بڑھی، اسی سے موجودہ دینی مدارس کا سلسلہ شروع ہوا ان کے لئے اس وقت جو نصاب تعلیم تیار ہوا، اس میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی صحیح اور موثر تعلیم مسلمانوں کے زوال پذیر معاشرہ کی اصلاح کی ضرورت کے مناسب مضامین وکتب نیز عقائد صحیحہ کو غلط اور گمراہ طریقہ سے پیش کرنے والوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے والے علوم بھی شامل کئے، اس طرح علوم شرعیہ کے ساتھ ثانوی طور پر علوم عقلیہ وآلیہ کو بھی مناسب ڈھنگ سے رکھا اس نصاب تعلیم کے یہ مشتملات تقریباً تمام مدارس اسلامیہ دینیہ میں رائج ہوئے، اور اس نصاب کو پڑھ کر بڑے بڑے جید علماء پیدا ہوئے، جنھوں نے صحیح اسلامی عقائد کی ترویج کی، اور مسلمانوں کی زندگی کی اصلاح کی، اور گمراہ کرنے والے لوگوں کی کوششوں کا مقابلہ کیا، اور ان کا ابطال کیا، آج ملک میں عقائد صحیحہ کے بقاء اور صحیح مذہبی زندگی کے رواج میں اسلاف کی ان کوششوں کو بڑا دخل ہے اس دوران ملک میں انگریزوں کا عمل دخل بڑھا۔ اور ان کی حکومت سے مسلمانوں کے لئے بڑے خطرات محسوس کئے جانے لگے، اسلام وملت اسلام کے تحفظ کے لئے جو کوششیں جاری تھیں، ان کے لئے بھی خطرات پیدا ہونے لگے، یہ بدیسی حکومت مسلمانوں کے ملکوں میں سیاسی سطح پر نہ صرف یہ کہ اپنی قوت کا مظاہرہ کر رہی تھی بلکہ تہذیبی اور علمی طور پر بھی سخت اثر انداز ہو رہی تھی، اس کی تہذیب کا غالب قوم کی تہذیب کی حیثیت سے اثر پڑنا شروع ہوگیا تھا، انھوں نے اپنے سامراجی مقاصد سے، ذہنوں کو بدلنے اور اپنی مصلحتوں کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اپنا مخصوص تعلیمی نظام بنایا، اور اس کو رائج کیا، چونکہ اس تعلیمی نظام سے دنیاوی وجاہت اور ترقی حاصل ہوتی تھی، اس لئے باوجود اس کی مضرتوں کی طرف توجہ دہانی کے مسلمانوں کی نئی نسلوں کے لئے یہ نظام تعلیم قابل قبول بنتا گیا چنانچہ نئی نسلوں کے لوگ اس کی طرف غول در غول جانے لگے اس طرح مسلمانوں میں دو نظام تعلیم جاری ہوگئے ایک کا محور خالص علم دین تھا دوسرے کا محور خالص دنیا، یہ دو دھارے بن گئے دینی تعلیم کا دھارا محدود اور دنیاوی تعلیم کا دھارا وسیع دائرے میں چلنے لگا۔

علمائے اسلاف نے اسلامی زندگی کی حفاظت اور عقائد صحیحہ کی ترویج ودفاع کے لئے اپنے نظام تعلیم میں جو حق رکھا تھا، اس میں اصلاً گمراہ فرقوں اور علمائے سوء کے مقابلہ کا انتظام تھا، لیکن استعماری طاقت کے گمراہ کن فکری رجحانات اور اسلامی ثقافت ومذہب کو نقصان پہونچانے اور ذہنوں سے ان کے اثرات ختم کرنے کی کوششوں کے مقابلہ کے لئے اس میں انتظام نہ تھا، مثلاً علوم اجتماعیہ قوموں کی تاریخ نیز غالب زبان وعلم سیاست واقتصاد سے تھا سے واقفیت کا کوئی نظم نہ تھا جس کے ذریعہ دشمن کے تفوق کا مقابلہ کرنے کے اسرار ملتے، لیکن اس کمی کو ان ہی اسلاف علماء کے چند افراد نے محسوس کیا، اور حتی الوسع اس پہلو کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی، ان کی اس فکر وتوجہ سے مسلمانوں کے نصاب میں اس کی ضرورت کے لئے جگہ نکالنے کی کوشش شروع ہوئی۔ یہ کوشش ایک دعوت وفکر کی صورت میں ظاہر ہوئی اور ندوۃ العلماء نامی ادارہ کے نام سے اس نے کام شروع کیا، یہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء تھا جب اس کا آغاز ہوا، اس کو اس وقت کے چوٹی کے علماء نے سراہا، چنانچہ مشہور اور عظیم بزرگ شیخ العصر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے بھی بلند اور ہمت بڑھانے والے کلمات کہے، اس تحریک کے سرخیل اور اس زمانہ حضرت مولانا

فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے خلیفہ اجل مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری اور متحدد جید علماء تھے، اس تحریک کے فائدین میں ایک طرف بنیادی علوم دینیہ و اسلامیہ قرآن و حدیث و فقہ کے علماء اعلام تھے، تو دوسری طرف علوم اجتماعی تاریخ و فکر و ادب کے ماہرین بھی تھے، ان دونوں گروہوں کے ساتھ علوم جدیدہ سے وابستہ متعدد سربرآوردہ مسلم تنخصیتوں کا بھی تعاون تھا، یہ فائدین سال بسال اجتماع کرکے ملت اسلامیہ کی بیداری و ترقی کی راہوں پر غور کرنے اور اس کے ساتھ نشاۃ ثانیہ کے اہم ترین ذریعہ نظام و نصاب تعلیم میں وقت کے تقاضے کے مطابق موضوعات کو بھی شامل کرنے پر غور کرتے اور اپنی تجاویز کو مدارس اسلامیہ کے سامنے رکھتے، ان موضوعات نصاب میں فکری و ثقافتی و انسانی ضرورت کے مضامین اور عہد کے مطابق زبان و ادب کی صلاحیت پیدا کرنے والے موضوعات تھے، اس دائرے میں عربی زبان کو وسیع اور اہم جگہ دی گئی تھی تاکہ اس میں ایسی قابلیت پیدا کرنا ممکن ہو جو ملت اسلامیہ کے مختلف علاقوں کے درمیان ربط کا ذریعہ بنے، اور علوم اسلامیہ سے گہری واقفیت کا وسیلہ بننے کے ساتھ دعوتی زندگی میں استعمال بھی کی جاسکے، کیونکہ عربی زبان اسلام کی بنیادی زبان ہونے کے ساتھ مسلمانوں کی درمیانی واسطہ کی زبان بھی ہے، جس پر علماء کو عملی عبور حاصل رکھنا ضروری امر ہے، ثقافتی و انسانی ضرورت کے موضوعات میں تاریخ رکھی گئی، تاریخ ایک وسیع الاطراف موضوع ہے، جس میں قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ، ثقافت و تمدن کی تاریخ، دعوت و فکر اسلامی کی تاریخ، استعماری طاقتوں کی سیاسی قوت اور علمی و فکری غلبہ کی تاریخ، مسلمانوں کے آغاز تمدن و غلبہ کی تاریخ، پھر ان کے زوال و شکست خوردگی کی تاریخ جیسے ان کے اسباب و پس منظر شامل ہیں۔ تاریخ کے علاوہ، علمی و فکری میدان میں اس صلاحیت کا پیدا کرنا جس سے قرآن و حدیث و سیرت طیبہ پر مستشرقین کے شرارت آمیز حملوں کو سمجھنے اور پھر ان کا علمی جواب دینے کے قابل بنایا جاسکے، اور ایسے مفکرین و داعی پیدا کئے جاسکیں، جو دین کا دفاع ہی نہیں بلکہ علم و تحقیق کی راہ سے حملہ آوروں کو شکست دے سکیں، اس کے لئے اپنے مقابل کی زبانوں سے ضروری واقفیت اور استعمال کی قدرت درکار تھی، اس کے لئے ایک طرف خود اپنے ملک و قوم میں رائج الوقت زبان پھر یورپ کی غالب قوم کی زبان سے واقفیت جس کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو فرسودہ اور افکار رفتہ بلکہ احمقانہ بات قرار دینے کا عمل جا بجا ہو رہا تھا، پھر صرف غیر ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی نئی نسل کی اکثریت غالب قوم کی زبان کے ذریعہ متاثر ہو کر ان کے خیالات کو اپنا رہی تھی، اس پر عبور حاصل کرکے مسلمانوں کی نئی نسل کی تعلیم یافتہ اکثریت کو ان منحرف خیالات و معلومات سے بچانے کا کام انجام دیا جاسکتا تھا، اس میں ثقافت و ادب پر عبور حاصل کرنے کے ساتھ انگریزی زبان و ادب سے واقفیت کی بڑی اہمیت تھی۔ زبان کے علاوہ اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والی ضروری علمی معلومات جیسے جغرافیہ اور عمرانی و ثقافتی علوم اور دیگر اہم عصری موضوعات بھی ضروری تھے، ملک کے بدلتے ہوئے حالات یہ بتا رہے تھے کہ کسی بھی زندہ قوم کے نصاب تعلیم میں ان مذکورہ بالا پہلوؤں کو نظر انداز کرنا قوم کو اس کی باعزت زندگی سے محروم رکھنے کے مساوی ہے اور قوم کو قائدانہ صف کے بجائے پچھلی صف میں تابع بن کر رکھنے کی طرف لے جانے والی بات ہے۔

ندوۃ العلماء کی اصلاح نصاب کی دعوت کو تمام ثقہ علماء نے سراہا اور پسند کیا، لیکن اس پر عمل درآمد میں عام طور پر تعاون نہ ملنے کی وجہ سے ندوۃ العلماء کو ابتدا میں کم کامیابی ملی، اور پھر متعدد جزوی اسباب نیز غلط فہمی کی بقاء پر اس کو پسندیدگی کے دائرے سے بھی باہر رکھا گیا، لیکن ندوۃ العلماء کے حضرات علماء اس راہ پر کوشاں رہے، اور عملی طور پر اس کو نافذ العمل کرنے کی کوشش کرتے رہے، یہ وہ زمانہ تھا کہ علمائے کرام اپنے سابقہ اختیار کردہ نصاب کے مطابق تعلیمی نظام کو جاری رکھتے ہوئے باہری طاقتوں کو ملک سے نکالنے کے سیاسی کام میں مشغول تھے شاید ان کی یہ مصروفیت ان کو امت کے تعلیمی و نصابی پہلو کے تقاضوں کی طرف توجہ دینے سے مانع بنتی رہی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کا سوء تفاہم بھی تجدید و اصلاح نصاب کے اس ضروری عمل کو توجہ سے دیکھنے سے مانع بنا اور اس طرح دینی مدارس عموماً اپنے پرانے نصاب پر قائم رہے، اور اس کی وجہ سے نئے تقاضوں کو پورا کرنے والے اہل فکر و ادب کے پیدا ہونے کا راستہ ایک حد تک رکا رہا، ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے اپنے دارالعلوم کے واسطے سے نصاب کے نئے تقاضوں کے مطابق اپنی استطاعت اور حاصل وسائل کے ذریعہ کام جاری رکھا۔ اور نصاب میں ضروری تبدیلی کا خاکہ نہ صرف تیار کیا بلکہ اپنے دارالعلوم میں نافذ کیا، یہ اگرچہ صرف ایک اور محدود طاقت کے دارالعلوم میں تھا لیکن اس کے نفاذ و اجراء کے اچھے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے اس میں طلبا کی تعداد بہت کم ہونے کے باوجود

اس کے نصاب سے چند در چند ایسے افراد تیار ہوئے اور ممتاز ہوئے جو اپنی وسیع واقفیت اور گہرے علم کی بنا پر علماء اور نئے تعلیم یافتہ دونوں حلقوں میں یکساں باوزن قرار پائے انھوں نے فکر قدیم و جدید کو جمع کیا اور اچھا نمونہ پیش کیا، نیز فکری و ثقافتی و ادبی راستوں سے مسلمانوں پر جو حملے ہو رہے تھے، ان کے مقابلہ کے لئے بھی اچھے معیار سے کام کیا اور آئیڈیل ان میں علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالباری ندوی اور ان کے ممتاز رفقاء و ذی علم تلامذہ سرفہرست ان میں متعدد ایسے فضلاء ہوئے جن کو ان کے عہد کے مستند جدید تعلیم یافتہ بھی ماننے پر مجبور ہوئے۔

موجودہ مغربی طاقت و غلبہ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس نے اپنی اصل طاقت وقت کے تقاضہ کا لحاظ کرنے اور ترویج علم اور اس میں فروغ حاصل کرنے سے بنائی، اس کے تمدن و طاقت کا سرچشمہ دراصل ان ہی پہلوؤں سے وابستہ ہے علم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ترقی و قوت کی نئی راہیں تلاش کیں اور خاص طور پر اقتصادی طاقت پیدا کرنے کی طرف توجہ کی، مشرق میں مغرب کا غلبہ علمی تفوق و سیاسی تدبیر کے ساتھ اس کی اقتصادی برتری سے ہوا، پھر اس کی سیاسی تگ و دو بھی وابستہ ہوگئی، لیکن اس کا سارا سیاسی جوڑ توڑ اور ملکوں پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانا اولاً اس کی اقتصادی برتری حاصل کرنے کے لئے تھا اور اس میں مغربی ممالک نے مطلوبہ کامیابی حاصل کی اس کی اقتصادی برتری اس کی سیاسی تدابیر سے اور علمی تفوق سے جڑی ہوئی ہے ——— لیکن مغرب کی اقتصادیات کے بارے میں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اس کا سارا اقتصادی ڈھانچہ اور اس کے لئے ساری تگ و دو اس کے ملحدانہ فلسفہ پر مبنی ہے اور وہ خالص غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہے، اس میں سود و جوا پیوست ہے، اس کے گمراہ کن اصول کے ساتھ اس کی اقتصادی ترقی کی چمک دمک نے اسلام کو بھی نقصان پہونچایا اس کے توڑنے کے لیے اس کو جاننا ضروری ہے، مغرب کی علمی کاوشوں... کو اور اس کی اقتصادیات بھر سیاسیات کے دور اثر امکانات و اختیارات کو سمجھے بغیر اس کی طاقت تمدن اور دنیاوی برتری کو نہیں سمجھا جاسکتا، اور جب تک اس کے اقتصادی نظام و فلسفہ اور اس کی سیاسی تاریخ کو نہ سمجھا جائے اس کے اثر و نفوذ کا مقابلہ اور اس کے لئے اس کے اصل اسباب کو جاننا مشکل ہے اور اس کے اثر و نفوذ کا مقابلہ اور بھی زیادہ دشوار ہے، اس لئے نصاب علم و تعلیم میں اقتصادیات و سیاسیات نظریات علمی تحقیقات اور فکر و فلسفہ کے نظاموں کو سمجھنا چاہئے اور نئی نسل کے نصاب تعلیم میں اس کے تعارف و واقفیت کو بھی جگہ دینا ضروری ہے، تاکہ ان کا احاطہ عمل اور اثرات اور طریقہ کار سے ناواقفیت نہ رہے۔

ندوۃ العلماء کی اصلاح نصاب کی دعوت نے اپنے قیام ۱۸۹۸ء سے ہی وقت کے تقاضہ کے مطابق نصاب تعلیم کی تشکیل کی اہمیت کو محسوس کیا تھا، اور اس کی دعوت دی تھی، اس کے لئے اس نے علوم دینیہ کا پورا حق رکھتے ہوئے ضروری نئے موضوعات کو شامل کرنے کا خاکہ مرتب کیا اور نصاب بنایا ———

——— اور کام کی ابتدا کی لیکن اس کو جن وسائل کی ضرورت تھی وہ اس کو لوگوں کی طرف سے توجہ نہ کرنے اور تعاون کم دینے کی وجہ سے نہ مل سکے، ——— چنانچہ رفتار سست رہی اور ضرورت کے تمام گوشے اپنائے نہ جاسکے پھر بھی اس کے اس تجربہ کے بتدریج نتائج سامنے آنے لگے تو اس تجربہ کو قریب سے دیکھنے والوں کو اس مسئلہ پر غور کرنے اور اس کے لحاظ سے قدم اٹھانے کی ضرورت کا احساس بڑھا، یہ اگرچہ خاصی تاخیر سے ہوا، لیکن پھر بھی یہ ایک خوش آئند عمل کہا جانے کا مستحق ہے ایسے تمام حضرات کے لئے اس راہ میں قدم بڑھاتے ہوئے ندوۃ العلماء کے اصلاح نصاب کے متعلق پیش کئے ہوئے خیالات کا اور علمی میدان میں جو تجربے کئے گئے ان کا مطالعہ کرنا مفید ہے

——— ندوۃ العلماء کے تعلیمی نظریات اور تجربوں میں سے جو باتیں قابل استفادہ معلوم ہوں، وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ "الحکمۃ ضالۃ المومن"۔

ندوۃ العلماء نے اپنے نصاب کے مضامین کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے، ایک علوم دینیہ جو اس کے نصاب کا غالب حصہ ہیں، دوسرے لسانی مضامین جن کو وقت اور ضرورت کے لحاظ سے قدیم و جدید دونوں پہلوؤں سے اپنایا گیا ہے تیسرے علوم اجتماعیہ۔ جو اسلام اور ملت اسلام کے تعلق سے ضروری ثابت ہوئے ہیں، ان تینوں اقسام میں زیادہ توجہ علوم دینیہ عالیہ دینیہ پر۔ پھر لسانیات پر، پھر علوم اجتماعیہ پر دی گئی ہے، علوم دینیہ کے دائرے میں قدیم مدارس عربیہ کے نصاب سے تقریباً پوری یکسانی ہے، اس کے باوجود نصاب میں کتر بیونت نہیں کی گئی ہے، البتہ ان کو زیادہ وسیع وقت میں پھیلایا گیا ہے، تاکہ وہ پورے ہوسکیں، اور ان کا حق زیادہ بہتر طریقہ سے ادا ہوسکے۔ چنانچہ کتب حدیث و فقہ اسی مقدار میں اور تقریباً انہی کتب کی صورت میں شامل نصاب ہیں جو مروجہ درس نظامی کے نصاب میں داخل ہیں، درس نظامی کے دورۂ حدیث

کی کتب کو ایک سال کے بجائے تین سالوں میں پھیلایا گیا ہے، پہلے مشکوٰۃ شریف دو سال میں رکھی گئی ہے پھر تین سال میں کتب صحاح رکھی گئی ہیں، فقہ میں مروجہ کتب کے ساتھ فقہ علی المذاہب الاربعہ سے بھی متعارف کرایا جاتا ہے اسی کے ساتھ مسائل حاضرہ کا تعارف بھی رکھا گیا ہے تفسیر متن قرآن اور بیضاوی (جو پہلے پانچ سالوں میں مع اصول تفسیر داخل نصاب ہے، تغیر اور کمی اصلاً علوم عقلیہ قدیمہ میں کی گئی ہے، کیونکہ عہد اور تقاضے بدل جانے کی وجہ سے اب اسلامی علوم کی ترویج اور اسلامی فکر کا دفاع قدیم علوم عقلیہ کا زیادہ محتاج نہیں رہا، اب اس کی بڑی جگہ علم النفس ادب اور لسانیات نے لی ہے، اس لئے منطق وفلسفہ کے صرف مبادی اور ضروری پہلوؤں سے تعارف کو شامل نصاب کیا گیا ہے ضرورت جدید فلسفہ کو بھی پڑھانے کی ہے جس کا رواج جدید علمی دنیا میں بڑھا ہوا ہے، لسانیات کے دائرے میں عربی زبان کی وسیع علمی وعملی تعلیم ومہارت کے ساتھ انگریزی، فارسی، ہندی زبانوں سے واقفیت پیدا کی گئی، عربی کے بعد دیگر زبانوں میں انگریزی زبان کی تعلیم کو زیادہ وقت دیا گیا ہے اور اس کو بھی لازمی رکھا گیا ہے وہ ابتدائی مرحلہ کے بعد شروع ہوتی ہے اور عالی مرحلہ میں جاکر ختم ہوتی ہے جہاں گے انٹرمیڈیٹ تک کا نصاب پورا ہوتا ہے۔ علوم اجتماعیہ میں تاریخ جغرافیہ ثقافت اسلامی، اسلامی فکر اور منحرف فکر کا تحلیلی نظریات کا تعارف، اقتصادیات اور سیاسیات کے مبادی اور ریاضی غیر نصاب میں رکھے گئے ہیں، نیز اہم مفکرین کے محاضرات کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ تعلیم کے مراحل کو ابتدائی ثانوی اور عالی اور تخصص کے مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے، اور ان ہی کی مناسبت سے مضامین نصاب کی ترتیب وتنسیق رکھی گئی ہے۔

ابتدائی مرحلہ میں جو ۶ سالوں پر پھیلا ہوا ہے، ناظرہ قرآن مع حفظ سورتہ و تجوید، عقائد دینیہ ومسائل فقہیہ اسلامی معلومات، تاریخ اسلام اردو، ہندی، فارسی، حساب، حغرافیہ، معلومات جدیدہ اور خطوط نویسی، خوش خطی اور بعض دیگر معلوماتی اسباق ہیں اور عصری مدارس کی سطح کا معیار رکھا گیا ہے، ثانوی مرحلہ میں جو پانچ سالوں پر مشتمل ہے، عربی زبان وادب انشاء اردو ادب فارسی انگریزی زبان، فقہ، معلومات دینیہ، سیرت نبوی منتخب احادیث، صرف ونحو، تاریخ، جغرافیہ حساب ودیگر معلوماتی مضامین ہیں۔ درجات عالیہ کے چار سالوں میں ترجمہ وتفسیر قرآن اور متداول کتب تفسیر کی مراجعت نیز بیضاوی سورہ بقرہ اصول تفسیر کتب حدیث مع مؤطا و اصول حدیث، فقہ اصول فقہ، عقائد، ادب عربی وانشاء، نحو، تاریخ ادب نقد ادب، تاریخ اسلامی جغرافیہ اسلامی، ثقافت اسلامی، دعوت اسلامی، منطق وفلسفہ، سیاسیات ومعاشیات اور انگریزی بیچ، فضیلت وتخصص کے مرحلہ میں بقیہ کتب صحاح ہیں مع ہادی واصول حدیث متن قرآن وتفسیر کشاف، اسرار عبادات، اسرار شریعت، فقہ واصول فقہ، علوم قرآن، ادب عربی انشاء، تاریخ دعوت وفکر اسلامی، تراجم، علماء واعلام اصول تعلیم اور بعض دیگر مضامین شامل نصاب ہیں، قدیم مدارس دینیہ میں حدیث وفقہ کا جو نصاب دو یا تین آخری سالوں میں ہوتا ہے وہ نصاب ندوہ نے مضامین کے اضافے کی وجہ سے پانچ سالوں میں پھیلایا ہے تاکہ وہ پورے ہوسکیں اس کا لحاظ رکھا گیا، انگریزی اور بعض عصری مضامین کے داخل نصاب کرنے سے علوم دینیہ کو نقصان نہ پہونچے اسی کے ساتھ دینی اخلاق وکردار کی حفاظت کے لئے اساتذہ اور دار الاقامہ کی پابندیوں سے کام لیا جاتا ہے اس طرح عصری مضامین اور انگریزی سے اسلامی اخلاق وکردار کو نقصان نہیں پہونچتا، لیکن افسوس ہے کہ جن حضرات علماء دین نے ندوہ کے تجربہ اور ماحول کو قریب سے نہیں دیکھا وہ انگریزی وعصری مضامین کو شامل نصاب کرنے کی خبر پر ندوۃ العلماء کے لوگوں کی دعوت وکام پر انحراف عن الدین کا شبہ کرنے لگے، اس سلسلہ میں بعض حضرات نے وہ باتیں تک کہیں جو افسوس ناک اور بالکل بے اصل تھیں، انھوں نے محسوس کیا کہ جب انگریزی زبان وادب اور علوم جدیدہ پڑھے اور پڑھائے جائیں گے تو زندگیاں بھی انگریزی رنگ میں رنگی ہوں گی اور انگریزیت کے اثرات ہر جگہ نمایاں ہوں گے، بعض نے یہ کہا کہ وہاں کسی انگریز کا اسٹیج ہے، معاذ اللہ ایسی غلط بات اور صرف سوء ظن میں، حالانکہ فرمان خداوندی موجود ہے کہ "یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم" (الحجرات) جس باغ کو علماء حق نے لگایا پھر اس کو علماء وصلحاء سینچتے ہے کیا اس منزل پر پہنچ جائے گا کہ وہاں بت سازی ہو، یہاں تو کسی کسی ذی حیات کی تصویر بھی آویزاں نہیں کی جاسکتی مجسمہ کا تو تصور نہیں کیا جاسکتا، ندوۃ العلماء کے ماحول میں الحمد للہ جتنی دینداری پائی جاتی ہے اس کو دیکھنے کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، بڑے سے بڑے دینی مدرسہ کے دینی ماحول سے کم نہیں پائی جاتی، غیر شرعی باتوں کو اتنا ہی برا اور ناقابل قبول سمجھا جاتا ہے جتنا کسی دوسرے دینی ماحول میں سمجھا جاتا ہے۔

ندوۃ العلماء کے سب اہم ذمہ دار حضرات عموماً مشائخ امت کے مریدین اور خلفاء رہے، مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبد الباری ندویؒ، مولانا محمد ادریس ندوی اور مولانا سید ابو الحسن

علی ندوی ودیگر وہ لوگ ہیں جو ندوۃ العلماء کے سربراہ اور ندوۃ العلماء کے فرزند رہے اور مشائخ عظام کے خلفاء بھی ہوئے ان کے علاوہ اس کے مدرسین میں امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی مولانا سید حمید الدین صاحب فیض آبادی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مولانا منظور احمد صاحب نعمانی جیسے حضرات ان کے علاوہ متعدد مدرسین اپنا اپنے عہد کے بزرگوں کے مسترشدین میں رہے، اور ان کے یہاں اعتماد کا مقام حاصل کیا، ندوۃ العلماء نے انگریزی اور علوم جدیدہ کے پڑھانے والے بھی ایسے رکھے، جو دینداری اور احتیاط دینی میں پختہ تھے، اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ مضامین نصاب کے اثرات طلباء پر جتنا پڑتے ہیں اس سے زیادہ پڑھانے والوں کے اخلاق وکردار کے اثرات پڑتے ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو قدیم نصاب تعلیم میں نفحۃ الیمن جو ایک شیعہ کی تصنیف ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو اخلاق کو خراب کریں، وہ اپنے طلبہ کو برباد کرنے کے لئے کافی تھی اور خود مقامات حریری جو چوری دھوکہ دہی اور فریب کے واقعات سے بھری ہوئی ہے، وہ اپنے پڑھنے والوں کے کردار کو خراب کرنے کے لئے کافی تھی، اور سبعہ معلقہ کا تو کہنا ہی کیا لیکن اساتذہ کا دینی فکر وکردار بچاتا رہا، ندوۃ العلماء نے اساتذہ کے انتخاب کے ساتھ مضامین کی دینی روح کا اتنا خیال کیا کہ نفحۃ الیمن کی جگہ عرب کے قدیم وجدید انشاء پردازوں کے ایسے نمونے جمع کرکے بدل حسن بنایا جو خالص اسلامی تعلیم ومزاج کے حامل ہیں، مثلاً منشورات، مختارات الادب العربی بین عرض ونقد، اس نے عربی زبان کے ابتدائی اور متوسط اسباق کے لئے بھی اسلامی مزاج وروح کے مضامین تیار کئے، ندوۃ العلماء کا یہ نصاب صرف ندوۃ العلماء میں ہی نہیں بلکہ اکثر عربی جامعات اور تعلیم گاہوں میں بھی رائج ہوا، جیسے قصص النبیین القراۃ الراشدہ کے متعدد اجزاء اور قصص من التاریخ اور ادب کے ساتھ تاریخ ادب کا حق ادا کرتے ہوئے وقت کے تقاضہ کا خیال رکھنے کی بڑی ضرورت ہے علوم اجتماعی میں متعدد علوم وسیع اور مفید علم بن چکے ہیں جن سے عالمانہ واقفیت کے بغیر نہ تو ان سے پیدا ہونے والے اثرات کو سمجھا جاسکتا ہے، اور نہ مشرق پر اس کے جو گوناگوں منفی اثرات پڑ رہے ہیں ان کو سمجھا جاسکتا ہے۔

ایک مسلمان کو اگر اسلام سے نبرد آزما طاقتوں کا مقابلہ کرنا ہے، اور اپنے کو اور اپنی امت کو ان کے شر سے بچانا ہے۔ تو اس کو ان تمام موضوعات سے کسی نہ کسی حد تک واقفیت حاصل کرنا ہے۔

علوم اجتماعی کے ضروری موضوعات کو اسلامی نصاب میں جگہ دینے کے لئے نصاب کو قدرے پھیلانے اور ان کا وقت بڑھانے سے کام چل جاتا ہے، ندوۃ العلماء نے ابتدائی درجات کو جو رائج دنیا میں رائج تعلیمی مدت کے مطابق بڑھا کر ۱۲-۱۳ سال کا کر دیا ہے جس کو ابتدائی مرحلہ کے بعد شروع کرکے مراحل میں تقسیم کیا ہے، پانچ سال ثانوی کے لئے، پھر چار سال عالی کے لئے اور دو سال تخصص کے ہیں ندوۃ العلماء کے مدارس میں یہی ترتیب اور نظام ہے۔

انگریزی لاکھ بری سہی لیکن اس کو اس کے شر کے توڑ کے لئے حاصل کرنا غلط نہیں بلکہ مفید اور ضروری ہے، علوم اجتماعیہ پر مغرب کے تسلط نے اس کو اسلام کے خلاف ہتھیار بنا دیا ہے لہٰذا ان کی طرف توجہ کرکے درست کرنا ہے، انگریزی اور علوم اجتماعیہ کی طرف توجہ نہ دینے سے علماء اپنے عصر وزمانہ کے معیار سے قیادت ملت دفاع عن الاسلام اور دعوت حق کا کام کرنے کے لائق نہ بن سکے، بلکہ ان کو اپنی زندگی کے متعدد گوشوں میں غیروں کی ترجمانی اور وساطت سے استغناء نہ ہوا.... جنگ آزادی میں شریک ہونے کی وجہ سے آزادی ملنے پر بعض حضرات کو حکومتی عہدے ملے تو ان کو دیکھا گیا کہ ذمہ دارانہ تحریروں اور دستاویزوں پر دستخط اپنے انگریزی داں سکریٹری کے اعتماد پر کرنے سے ان کو مفر نہ تھا۔ علم وسیاست کے بہت سے معاملات کو سمجھنے کے لئے دنیاوی علم کے ماہر کا واسطہ لینا پڑتا ہے۔

پھر مغربی ثقافت وفکر کے ملحدانہ اثرات نے جب مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ کو متاثر کیا تو ان کو اسلام پر مطمئن کرنے کے لئے علماء کے پاس براہ راست حاصل کردہ معلومات نہ تھیں جن سے وہ دشمن کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا مقابلہ کرتے۔ اسی طرح مغرب کی طرف سے لایا ہوا اقتصادی نظام جس خود مغرب اور سفاکانہ سیاسی طریقہ کار اور جس فلسفہ وفکر پر مبنی ہے اور ان کا جو مسیحی اور ملحدانہ پس منظر ہے اس سے واقفیت کے بغیر اس سے متاثر زندگی کو بچانے اور سنوارنے کا کام مخربی زبان وعلوم پڑھے بغیر اگر ناقابل عمل نہیں تو بہر حال دشوار بہت ہے، اس کے لئے نصاب تعلیم کی تشکیل جدید کی ضرورت اہم ترین اور بنیادی ضرورت ہے، یہ ایک ایسی ضرورت ہے کہ ملت کی رہبری اور حیات اسلامی کی حفاظت اور شریعت اسلامی کے دفاع کے لئے اس کو پورا کرنے سے چارہ کار نہیں۔

عربی و دینی درس گاہوں کا تعلیمی مسئلہ

اس وقت ایک بنیادی حقیقت یہ ہے کہ اس دور جدید میں علم و ثقافت میں جو توسیع وعمومیت ہوئی ہے۔ اور دنیا کے ممالک ایک دوسرے سے جتنے متعارف اور قریب ہوئے ہیں اور ایک قوم کا دوسری قوم سے ربط و تعلق کے جتنے امکانات بڑھ گئے ہیں اس کی وجہ سے اب کسی قوم کے افراد اپنے مخصوص دائرے کے اندر بند رہ کر دوسروں سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی قوم یا ملت اپنے کو ایک علمی دائرے کے اندر رکھے گی تو دوسری قوموں اور ان کی ترقیات سے ناواقفیت کی بنا پر نقصان اٹھائے گی مزید یہ کہ دوسری قومیں جن راہوں اور ذریعوں سے ترقی کر کے دوسروں پر غالب آرہی ہے، ان سے ناواقفیت پر اس قوم کو نہ صرف خسارہ میں رہنا پڑے گا بلکہ ان غیروں کا دست نگر اور تابع مہمل بننا پڑے گا۔ عالم اسلام کی قومیں کئی صدیوں سے اس احساس میں مبتلا رہی ہیں اور ابھی کچھ تھوڑی بیداری کے باوجود اس ورطہ سے نہیں نکل سکی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اہل دین، جن کی قیادت و رہنمائی میں وہ جامع اور موثر رہنمائی بنتی ہے جس کے اثر سے مسلم قوم عظمت و قوت کے میدان سر کر سکتی ہے، وہ عظمت و قوت کے حصول کے لئے قدیم اختیار کردہ ذرائع کو مقصد کا درجہ دینے لگے ہیں اور ذرائع کے معاملہ میں روز افزوں تجربوں سے جو تبدیلی اور بہتری کی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں، ان کو اختیار کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ علم و ثقافت کے میدان میں اس عہد اخیر میں جو توسع پیدا ہو چکا ہے اس کو بھی ہمارے اہل دین اپنے نظام تعلیم میں نظر انداز کر رہے ہیں اس کی وجہ سے دینی نظام تعلیم کے بقاء و کامیابی کے سلسلہ میں بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہم کو علم و ثقافت کی اس وسعت کو سمجھنا اور اس کے ضروری حصہ کو کرنا ہوگا۔ اس کے لئے اس وقت علم و ثقافت میں جو وسعت پیدا ہو گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے نظام درس کے تمام علوم و مضامین کی اصناف طے کر کے ان میں سے ہر ایک کی ضرورت و اہمیت کے لحاظ سے اس کو نظام تعلیم میں جگہ دینا ہوگی اور ان کی الگ الگ مقدار متعین کرنا ہوگی، کسی علم و مضمون کو وسیع اور بنیادی درجہ دینا ہوگا، کسی کو محدود اور ثانوی درجہ دینا ہوگا اور کسی کو صرف ضمنی اور متعلق کا درجہ دینا ہوگا۔

اسکول ہوں یا مدارس، یونیورسٹیاں ہوں یا جامعات اسلامیہ، سب کو اپنے مقصد کے مطابق تر علوم و مضامین درس کی تعیین و ترتیب کا عمل کرنا ہوتا ہے، عصری اسکول اور یونیورسٹیاں تعلیمی عمل سے کامیاب اور کارپرداز شہری تیار کرنے کا مقصد رکھتے ہیں، وہ ایک کامیاب و کارپرداز شہری کے لئے جن علوم کی جو اہمیت اس کی انفرادی ضرورت کے لئے اور عام قومی و وطنی ضرورت کے لئے ہوتی ہے اس اہمیت اور ضرورت کی مقدار کے مطابق ان علوم کو اختیار کرتے ہیں اور ان کی تعلیم کا اور ان کی تدریب کا نظم کرتے ہیں اس میں زبان و ادب، سماجی علوم اور سائنسی علوم کی بڑی شاخوں کو لیا جاتا ہے اگر یہ اسکول و کالج مذہب بیزار نہیں ہیں تو سماجی علوم کے اندر مذہبی و اخلاقی تعلیمات کے لئے ایک چھوٹا قصہ دے دیتے ہیں اور اس کو کافی سمجھتے ہیں اور اگر مذہب بیزار ہیں تو مذہبی تعلیمات کو شامل ہی نہیں کرتے بلکہ ان کو مضر سمجھتے ہیں۔

مذہب پسند اسکول و کالج بھی یورپ سے متاثر ہونے کے باعث مذہبی تعلیمات کے لئے اپنے نظام میں بہت معمولی جگہ نکالتے ہیں اس سے کسی حد تک مذہبی تعلیمات سے تعارف تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن مذہبی تعلیمات سے ضروری واقفیت نہیں ہوتی۔ ان کو بھی اپنے نظام تعلیم کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ استعماری طاقتوں کے چھوڑے ہوئے نظام تعلیم میں وہ اپنی ضرورت و خصوصیت کے لحاظ سے ضروری ترمیم بھی ابھی تک نہیں کر سکے، اسی وجہ سے اس نظام تعلیم سے تیار ہونے والے لوگ مسلمان شہری کم، مغربی شہری زیادہ ہوتے ہیں پھر وہ شوکت و عظمت کے حامل مغرب کی عطا کردہ تعلیم کے حامل ہونے کے باعث ایک طرح سے زائد احساس برتری بھی رکھتے ہیں اس کی وجہ سے وہ علماء اور اہل دین کو علم و تعلیم کے مسئلہ میں خاطر میں نہیں لاتے اور ان کے تجربوں کو کم از کم واقفیت کے حصول کے لئے بھی ٹھیک سے معلوم کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے، یہ ان کی کمی ہے جس کی طرف ان کو توجہ کرنا چاہئے۔

دوسری طرف ہماری عربی و اسلامی درس گاہوں کا حال یہ ہے کہ وہ ابھی انہی پیمانوں اور ذرائع پر مصر ہیں جو سابق عہد بدل جانے کے بعد اب اس سابق عہد کی یادگار بن گئے ہیں، وہ ذرائع اپنے عہد میں جتنے بھی کامیاب رہے ہوں لیکن اب ان کی افادیت محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ مغربی نظام تعلیم کی درس گاہوں کا اگر مقصد اپنے طلباء کو دنیاوی لحاظ سے کامیاب شہری بنانا ہے تو اس کے مقابلہ میں ہماری عربی و اسلامی درس گاہوں کے پیش نظر ملی و دینی ضرورت کے آدمی تیار کرنا ہوتا ہے۔ اس کی فی نفسہ بہت بنیادی اور اہم ضرورت ہے۔

اس کے بغیر قوم کی مذہبی اور ملی رہنماؤں کا کام نہیں انجام پا سکتا، پھر ان درسگاہوں کی تعداد بھی تا حال اتنی کم ہے کہ ان کو ان کے اختیار کردہ مقصد سے ہٹایا یا اس میں دوسرا مقصد شامل کر دینا بڑی زیادتی ہوگی ان کی تعداد پورے نظام تعلیم میں دو تین فیصد سے زیادہ نہیں، اتنی تعداد سے زیادہ تو علوم عصریہ کے نظام میں ہر صنف کی تعلیم کی ہے ان کے نظام میں ایک صنف میں محدود ہو کر کام کرنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ کوئی یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ میڈیکل کالج میں انجینیرنگ بھی سکھائی جائے یا انجینیرنگ کے شعبہ میں میڈیکل سائنس بھی پڑھائی جائے، قانون کے شعبہ میں آرٹ کی تعلیم بھی ضرور رکھی جائے، اسی صورت میں یہ مطالبہ کہ عربی اور اسلامی مدرسوں میں سائنسی علوم باقاعدہ پڑھائے جائیں، ایک بے وزن قسم کا مطالبہ ہے، ہاں سائنس کے مبادیات کو ان کے کسی مرحلہ میں شامل کرنے میں حرج نہیں لیکن ان دینی مدارس میں ان کے بنیادی علم کو کم کر کے جن میں وہاں اختصاص پیدا کیا جا رہا ہو، سائنسی علم کو وسیع جگہ دی جانے کی بات کہی جائے تو یہ بغیر غور کے کہی جانے والی بات شمار ہوگی البتہ دوسری طرف مدارس اسلامیہ عربیہ سے جو بات کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ قوم و ملت کی رہنمائی اور اس کی مذہبی و اخلاقی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ان مدارس میں جو آدمی تیار کئے جا رہے ہیں ان کی ضرورت کے لائق مضامین کا انتخاب اور ان کی تعلیم کا بہتر سے بہتر طریقہ جو خواہ انہوں کے تجربوں میں آیا ہو خواہ غیروں کے تجربے میں، ان کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ ان سے گریز اپنے نظام کو ناکام بنا دینے کے مرادف ہوگا۔

مدارس اسلامیہ عربیہ کے علوم کے اصناف کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان علوم کی اصناف بھی تین ہیں ایک مذہبی بنیادی علوم کی، دوسرے اسلامی ضرورت کے لسانی و سماجی علوم کی، تیسرے زندگی کے متعلق عام معلومات کی یہ زندگی وہی زندگی ہے جس میں علماء دین اور رہبران ملت کو بھی رہنا ہوتا ہے کیا وہ ان کے بارے میں ایک ان پڑھ دیہاتی کی طرح رہنا چاہیں گے، اگر ایسا نہیں تو زندگی کی اس ضرورت کے تعلق سے بھی ان کو واقفیت پیدا کرنا ہوگی اور جہاں تک سماجی علوم کا تعلق ہے تو وہ اسلامی تعلق کے لحاظ سے بھی بڑی اہمیت کے ہیں اس سلسلہ میں ایک یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام اور مسلمانوں کی اسلامی فکر و ثقافت کو سائنسی علوم سے نقصان نہیں پہونچتا وہ تو تسلیم شدہ اور مشاہدہ سے ثابت حقائق ہوتے ہیں جو فطری ہیں، وہ کسی مذہب سے متصادم ہوں تو ہوں۔ اسلام سے کہیں متصادم نہیں ہوتے ہیں اصل نقصان تو سماجی علوم کو مخالفانہ یا معاندانہ انداز میں مرتب کرنے اور پیش کرنے سے ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے جن سے یورپ پورا فائدہ اٹھا رہا ہے اس طرح ادب و زبان سے اچھی واقفیت اور ان پر قدرت بھی ذہنوں کو جتنا متاثر کرتی ہے، دوسری صلاحیتیں مشکل سے اتنا اثر انداز ہوتی ہیں یورپ کی قومیں اور ان کے مشرقی شاگرد علوم و آداب کے میدان میں اس وقت جتنے فائق یافتہ ہیں وہ کوئی مخفی بات نہیں، پھر یہ مغربی ذہن کے لوگ سماجی علوم کی راہ سے مشرقی ذہنوں کو مسلمانوں کے سرمایہ فکر و ثقافت بلکہ عقائد و مسلمات کے سلسلہ میں جتنا متزلزل کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں اس نے اسلامی فکر و عقیدہ کے لئے ایک بڑا خطرہ کھڑا کر دیا ہے۔ ان کی اکثریت اس میدان میں بھی ہے اور ذرائع ابلاغ و ادب کے میدان میں بھی ہے اور ان کو ان کی مہارت بھی زیادہ ہے، اس صورت حال میں اگر مؤثر اور طاقتور ذرائع اختیار نہیں کئے گئے تو بنیادی دینی علوم کی حفاظت اور دفاع بھی زیادہ عرصہ تک نہ کیا جا سکے گا، دشمن کو اس کے ہتھیار سے ہی شکست دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارے نظام تعلیم میں سماجی علوم کا بھی حصہ شامل کیا جائے، اور عصری زندگی سے تعلق رکھنے والی ضروری معلومات بھی خواہ بقدر تعارف ہوں، رکھی جائیں اسی کے ساتھ زبان و ادب کو بھی وہ مقام دینا چاہئے، جس کی ضرورت حالیہ عہد کے لحاظ سے محسوس کی جا رہی ہو، مضامین کے اس تنوع و توسع اور درجہ بندی کے لئے تعلیمی مدت بھی اسی کے مطابق کرنا ہوگا۔ اس کے لئے عصری تعلیم گاہوں کا طریقہ اپنانا مناسب ہے، جہاں تعلیمی مدت ابتداء سے انتہا تک ۱۶، ۱۷ سال کی ہوتی ہے شروع کے پانچ سال ابتدائی کے، پھر تین سال متوسط کے، پھر دو تین سال ثانوی کے پھر چار سال عالی کے، پھر دو سال اعلیٰ و تخصص کے۔

ابتدائی و متوسط درجات میں ابتدائی دینیات اور زندگی کے متعلق عام بنیادی معلومات و مضامین پڑھانا موزوں ہے جو ان درجات کے طلباء کی عمر کے مطابق سہل الفہم ہوں، پھر ثانوی میں مضامین کچھ محدود کئے جائیں اور بنیادی ضرورت کے مضامین کو زیادہ وقت اور اہمیت دی جائے، اپنے اپنے مقصد کے مطابق ان کا تعین ہو، پھر عالی میں خالص اپنے مقصد کے ساتھ مخصوص مضامین ہی ہوں۔ مثلاً علوم دینیہ وسیع اور بنیادی طور پر اور سماجی علوم تھوڑے اور محدود ضرورت کے لئے،

(باقی ص ۱۱ پر)

دینی تعلیم اور دورِ حاضر کے تقاضے

مولانا سید سلیمان ندوی

مدارس اسلام کے وہ قلعے ہیں

جہاں سے اسلام کے سپاہی تربیت و تعلیم پاکر ہندوستان کے انتہائی نازک دور میں اسلام کی حفاظت و مدافعت کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں انھیں پھاڑنیوں میں فرزندانِ اسلام نے سود و زیاں سے بے پرواہ ہوکر اپنے مادی مستقبل کو بظاہر تاریک بناکر نامساعد حالات میں علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور قوم میں ان کی اشاعت و تبلیغ کا کام انجام دیا جبکہ آج اس برصغیر میں دین کا جو فروغ نظر آتا ہے اور ہندو پاکستان کو عالم اسلام میں جو موقف و امتیاز حاصل ہے اور جسے دیکھکر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں وہ سب انھیں بوریانشینوں علم دین کے متوالوں اور دنیا سے بے نیاز ہوکر اجر آخرت کی خاطر فریضۂ تبلیغ ادا کرنیوالوں کے طفیل ہے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ دسویں صدی ہجری کے بعد سے جبکہ بلاد عرب اور مشرق اوسط میں علوم دینیہ کا انتہائی انحطاط شروع ہوچکا تھا، علوم حدیث کی مقدس حفاظت کا فرض علماء ہندوستان نے انجام دیا ہے چنانچہ مفتاح کنوز السنہ کے مقدمہ میں علامہ رشید رضا مصری نے ہندی مسلمانوں کی خدمتِ حدیث کا ان الفاظ میں اعتراف کیا:-

"دسویں صدی ہجری کے بعد اگر ہمارے ہندوستانی بھائی علوم کی حفاظت و خدمت نہ کرتے تو ان علوم کا سلسلہ منقطع ہوجاتا۔"

حضرات: دراصل علامہ رشید رضا صاحبؒ نے جو بات لکھی ہے وہ ایک تاریخی حقیقت ہے دسویں صدی ہجری کے بعد علوم آلیہ سے مسلمانوں کا تعلق بڑھ گیا تھا۔ منطق و فلسفہ کے دقیق مباحث اور موشگافیوں سے اتنی دلچسپی ہوگئی تھی کہ تمام دوسرے علوم ان میں گم ہوکر رہ گئے تھے، یہاں تک کہ معانی و بلاغت، صرف و نحو وغیرہ جیسے خالص ادبی و لسانی علوم کی بحثوں میں بھی بغیر منطق کی ژولیدہ اصطلاحوں اور پیچیدہ اسلوب ادا کے ایک قدم آگے نہیں بڑھتے تھے، متاخرین کے حواشی پر حواشی لکھنا اور شرح کی شرح لکھنا مدرسین علماء کا دلچسپ شغل بن کر رہ گیا تھا ان کی ذہانتیں اور ان کا قیمتی وقت اسی میں صرف ہوتا تھا۔ علوم میں ابتکار، ایجاد اور اجتہادی فکر و نظر مفقود ہوگئی تھی۔

حضرات: ۱۸۵۷ء کے بعد جب مسلمانوں کے ہاتھ سے زمام اقتدار نکل گئی اور تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا ایک طرف عیسائی مشنریوں نے تبلیغ عیسائیت کا بڑی قوت سے جال بچھانا شروع کیا تو دوسری طرف انگریزوں کے نئے تسلط اور اقتدار سے مرعوب مسلمان اپنی ملی و دینی حیثیت کو کھونے لگے تو ان ہی حالات میں شاہ ولی اللہ کے علمی خانوادے سے فیضیاب اور ان کے جلیل القدر فرزندوں کے شاگردوں نے دیوبند کے قصبہ میں ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور اس کے چند سال بعد سید احمد کے ہاتھوں مدرسۃ العلوم کی علیگڈھ میں بنیاد رکھی گئی اول الذکر نے متاع دین کی حفاظت سلف کے عقائد و خیالات کی مدافعت کا کام انجام دیا۔ علوم دینیہ کی اشاعت اور جدید علوم کی تحصیل سے روکنے کی کوشش کی تاکہ فرنگیت کی تعلیم سے مبادا دین کی متاع عزیز لٹ جاتی رہے موخرالذکر مقہور و مغلوب مسلمانوں کو نہ صرف یورپ کے علوم کے تکمیل کی دعوت دے رہے تھے بلکہ مغرب کی ہر ادا اور حاکم قوم کی پوری تہذیب کو قبول کرنیکی سعی ہو رہی تھی مغربی خیالات و افکار، اس کی تمام بھلائیوں اور برائیوں کو (جو اس کی نظر میں بھلائیاں تھیں) قبول کرنے کی سعی ہو رہی تھی ۱۸۵۷ء کے بعد اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان دونوں مکتبۂ خیال کے اختلاف نے علماء و غیر علماء، جدید تعلیم یافتہ اور قدیم تعلیم یافتہ کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل کردی تھی اور دونوں کے درمیان بعد و اختلاف بڑھتا جا رہا تھا۔ ان دونوں مکتبۂ خیال کے حامیوں اور محافظوں کا چونکہ نظری و فکری اختلاف تھا اسلئے پوری قوم دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی تھی، اور نبوامیہ کے بعد دین و دنیا کی جو تفریق شروع ہوئی تھی وہ برصغیر ہند میں باوجود دینی شعور اور مذہبی پابندی کے پایۂ تکمیل کو پہونچ رہی تھی کہ غیرت حق کو جنبش ہوئی برصغیر ہند و پاک کے صاحب بصیرت و عاقبت بیں علماء نے اس صورتحال کا اندازہ لگایا اور قدیم و جدید اہل دین و ارباب دنیا کی غلط و غیر اسلامی تقسیم اور ان کی باہمی آویزش کو ختم کرنے کی سعی شروع کردی انھوں نے علوم دینیہ اور علوم جدیدہ کو مدارس دینیہ کے نظام تعلیم میں داخل کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ تمام مکتبۂ خیال کو ایک متحدہ صف میں آنے کی دعوت دی اور اختلاف کو نظر انداز کرکے اصل دین کی اشاعت و تبلیغ اور حفاظت و مدافعت پر زور دیا۔ بعض علماء نے اس فکر کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا انھوں نے اپنی مجلس کا نام ندوۃ العلماء رکھا اور ندوۃ العلما کے ماتحت ایک دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔

ندوۃ العلما، اور اس کے دارالعلوم کا قیام

درحقیقت مسلمانان ہند کی دوراندیشی عاقبت بینی اور اسلام کی جامع تعلیمات سے واقفیت کا سب سے بڑا مظہر ہے، ندوۃ العلماء کی آواز وقت کی آواز تھی اس کی وقعت زمانہ کا شدید تقاضا تھا۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ ندوۃ العلماء نے برصغیر ہند کے دینی مدارس کے نظام تعلیم میں جس تغیر و اصلاح کی دعوت

دی تھی وہ ناکام رہی یا فروعی و جزوی اختلاف کو نظر انداز کرکے اصل دین کی تبلیغ و حفاظت کے جو صدا بلند کی تھی وہ بے محل اور غلط تھی یا اس کی اب ضرورت باقی نہیں رہی ہے، آج کون عاقل و فرزانہ جو اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات سے باخبر ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ جغرافیہ، تاریخ، سیاسیات، اقتصادیات اور سائنس وغیرہ سے بے خبر علماء اسلام کی سچی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ آج کون باور کرا سکتا ہے کہ اسلام کے سچے اور اچھے مبلغ وہ حضرات ہوسکتے ہیں جو ایسی درسگاہوں کے فضلاء اور سند یافتہ ہوں جن کے نصاب تعلیم میں ریاضی، جغرافیہ، تاریخ، ادب، سیاسیات، سائنس داخل نہ ہو، درحقیقت ندوۃ العلماء کی دعوت منظر تھی، اسلام کے جامع نظام حیات کی جسمیں دین و دنیا کی رہبانی و عیسائی تفریق کی گنجائش نہیں ہے

حضرات: نصاب تعلیم کے سلسلے میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں، آغاز اسلام سے لیکر اس وقت تک نظام تعلیم پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ منہاج تدریس و تعلیم میں وقت کے تقاضوں اور زمانے کی ضرورتوں کا ہمیشہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ علماء سلف وقت کے سب سے بڑے نبض شناس تھے ہر زمانہ میں اسلام کی خدمت اور امت محمدیہ کے فلاح دارین کے پیش نظر انھوں نے اپنے نصاب تعلیم میں تغیر و ترمیم کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا کیونکہ یہودیوں، عیسائیوں، اور دوسری غیر مسلم قوموں سے مراسلات اور معاہدوں کے سلسلے میں عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان اور دوسرے رسم الخط کو جاننے کی ضرورت پڑتی تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ خطوط و معاہدوں کے باب میں عیسائیوں اور یہود کے متعلق خطرہ ظاہر فرمایا کہ یہ کہیں ان میں تغیر و تبدل نہ کردیں اس طرح ایک مرتبہ تورات کے ایک حکم کو ایک یہودی عالم نے آپ کے سامنے اپنے ہاتھ سے چھپانے کی کوشش کی تو آپ نے فرمایا کہ عبرانی زبان سیکھ لو تاکہ یہ دین کے معاملہ میں مسلمانوں کو فریب نہ دے سکیں خود صحابہ کرام نے عبرانی و سریانی اور دوسری زبانیں سیکھی تھیں۔ آج قدیم دفتر سودہ ہتھیار بے کار ہوچکے ہیں کیا آج ہوائی جہاز، ٹینک، مشین گن، بم کے دور میں کوئی تلوار و نیزہ سے مقابلہ کرکے میدان جنگ جیت سکتا ہے؟ ٹھیک اسی طرح علوم آلیہ جو اپنے زمانہ میں بہت اہم اور کارآمد تھے آج اپنی افادیت و اہمیت کو کھو چکے ہیں۔

وذلك عصر قد تولى شبابه
وهذا أوان فلتجد و معالمه

حضرات: عربی مدارس کے نصاب تعلیم کا ایک دفاعی پہلو ہے مگر اس کا ایک ایجابی پہلو بھی ہے ہمیں ایک آزاد مملکت کے باشندہ ہونے کی حیثیت سے اس کے نظام کو چلانے کیلئے کن علوم کو جاننے کی ضرورت ہے ہم ایک تماشائی کی حیثیت سے دور رہ کر زندہ نہیں رہ سکتے یا تو ہمیں آگے بڑھکر اسلام کے خادم ہونے کی حیثیت سے اپنے آپ کو اہل ثابت کرنا ہے یا پھر ہمیں (عہد ماضی کی طرح) نالائق اور ناکارہ ہونے کی بنا پر زاویۂ خمول میں پڑا رہنا پڑے گا اور دین و دنیا کی راہبانہ تقسیم کو علماً قبول کرنا پڑے گا، ہمیں یقین ہے کہ آج کوئی باشعور عاقل شخص اس موقف کو قبول کرنے کو تیار نہ ہوگا

ہر زمانے میں علمائے اسلام نے دینی علوم کے علاوہ دوسرے علوم سیکھے۔

عہد عباسی میں جب منطق و فلسفہ اور طب و نجوم کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا اور مختلف عقائد رکھنے والی قوموں نے اسلام قبول کیا تو دشمنانِ اسلام اور نومسلم قوموں کے بعض ذہین افراد اسلامی عقائد پر فلسفیانہ اعتراض کرنے لگے مسلمانوں نے ان جدید علوم کو پڑھکر اسی ہتھیار سے عقائد اسلام کی مدافعت شروع کردی اور اس طرح علم کلام کی بنیاد پڑی۔ اور اس زمانہ سے لیکر آج تک منطق و فلسفہ اور علم کلام ہمارے نصاب تعلیم کا جز بن گئے اور آج اسکی تاریخ نہ جاننے والے سے علوم دینیہ کا ایک جز سمجھنے لگے اور بعینہٖ ان علوم قدیمہ کے کسی عالم کو عالم نہیں کہتے اور یہ علوم جدیدہ جو اب قدیمہ ہیں علوم دینیہ کی طرح ان کے نزدیک محبوب و ممدوح ہیں۔

حضرات! علماء سلف کی روشن دماغی زمانہ شناسی اور وقت کے تقاضوں سے کامل واقفیت کی اس سے بہتر دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ یونانی منطق اور یونانی علم الاصنام (میتھالوجی) کو جسے ہمارے قدیم مدرسوں میں فلسفہ کہا جاتا ہے دینی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کیا بلاشبہ اس زمانے میں اسلام کی خدمت کا تقاضا تھا اب عقائد اسلام پر نہ وہ اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں، نہ ان کے ان جوابات کی ضرورت باقی رہی نہ آج وہ فرقے باقی ہیں نہ ان کا وہ زور شور ہے نہ ان کے عقائد کی اشاعت کا اب خطرہ باقی ہے اب جدید علم کلام کی تربیت کی ضرورت ہے۔ اب سیاسیات و اقتصادیات کی راہ سے اسلام پر جو اعتراض کیا جا رہا ہے اس کے رد کرنے کی ضرورت ہے۔ تبلیغ دین، قوم و ملت کے بے لوث خدمت کا جذبہ پیدا کیا جائے کیونکہ قوموں کے عروج و زوال کا دارومدار نوجوانوں کے کردار، پختہ اخلاق اور جوش و ولولہ اور جذبۂ عملی میں مضمر ہے، یہی نوجوان۔ آئندہ چل کر معمار مملکت اور سفینۂ قوم کے ناخدا بننے والے ہیں۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں میں خلوص اور ہمارے کام میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی کی درسی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے اشتہار کی جاتی ہیں اللہ کے احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا ان صفحات پر مندرجہ آیات و احادیث کو، کو بھی اسلامی عقیدے کے مطابق بے وضو ہونے سے احتراز کیجئے

دینی تعلیم ... ایک جائزہ

شمس الحق ندوی

مدارس عربیہ کی بنیادی ذمہ داری کتاب و سنت کی تعلیم و ترویج اور اس کے مطابق دین کی تفہیم و تشریح ہے اس لیے اس نصاب کے اس بنیادی حصہ میں صرف تناسب بالطریق تعلیم پر تو غور ہو سکتا ہے باقی اس کی بنیادی حیثیت سے موجودگی مدرسہ کا شعار ہے مدارس اسلامیہ کیلئے مسئلہ صرف یہ ہے کہ زمانہ کے رُخ اور سیلاب کے بہاؤ پر نظر رکھتے ہوئے کتاب و سنت کو کس انداز سے پڑھایا جائے اور بدلے ہوئے حالات میں کن علوم و ضروریات کی رعایت کی جائے جس سے کتاب و سنت کے پیغام کو دور حاضر کے اسلوب و انداز اور بولتی ہوئی زبان میں پیش کیا جاسکے اور یہ وہ چیز ہے جس سے نعوذ باللہ خاکم بدہن نہ کتاب و سنت کے مقام پر کوئی حرف آتا ہے نہ اس سے انحراف ہوتا ہے، یہ سب جانتے ہیں کہ زمانہ آگے بڑھتا رہتا ہے، اس کے تقاضے و ضروریات بدلتی رہتی ہیں اور جب جب بھی ایسا ہوا ہے ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ ہمارے اسلاف نے زمانہ کی نبض پر ہاتھ رکھا ہے اور اسی کے تقاضے کے مطابق کتاب و سنت کو پیش کیا ہے اور اپنے تلامذہ کی تعلیم و تربیت بھی اسی انداز سے کی ہے

تعلیم کے چند بنیادی عناصر ہیں، نصاب تعلیم ان میں سے ایک عنصر ہے، دوسرے عنصر میں کتاب، استاذ، ماحول اور طریقۂ تعلیم ہے، ہمیں ان سطور میں استاذ اور ماحول کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہ ہوگا، کہ مدرسہ کا کام محض علوم کی منتقلی نہیں ہے بلکہ میراث نبوی کی تقسیم ہے (انبیاء نے کوئی جائداد نہیں چھوڑی انھوں نے کچھ صفات چھوڑے ہیں جو اس سے متصف ہو وہی ان کا وارث ہے) اس منصب کا حق ادا کرنے کے لیے ہمیں ایثار و قربانی اور اخلاص و للّٰہیت سے کام لینا ہوگا۔ اس راہ میں قدم رکھنے کے لیے جگر کاوی سے کام لینا ہوگا تاکہ ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں اور نیابت انبیاء کی لاج رکھ سکیں۔

طلبہ پر کتابی علم کا اثر اس وقت گہرا پڑتا ہے جب وہ اس کا عکس اپنے اساتذہ کے سیرت و کردار نشست و برخاست اور معمولات میں دیکھتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جو طلبہ کو کتاب و سنت کے سانچہ میں ڈھالتی ہے۔ اسی کے ساتھ فکر میں وسعت علم میں گہرائی، ذوق تحقیق و تجسس اور زمانہ سے باخبری کا چسکہ طلبہ کو اسی وقت لگتا ہے جب وہ اپنے اساتذہ میں یہ باتیں محسوس کرتے ہیں، اور یہ وہ باتیں ہیں جو ذہنی یکسوئی، غیر متعلق باتوں سے احتراز و اجتناب سے حاصل ہوتی ہیں۔ اگر طلبہ کے سامنے یہ اسوہ آتا ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کو ایک دوسرے کی تحقیر اور استخفاف کرتے دیکھتے ہیں، ان کا بیشتر وقت لایعنی باتوں میں گزرتا ہے تو طلباء کی ثقافت پر اسی کا اثر پڑتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے اور ہمارے موجودہ دور کی وہ کمزوری ہے جس کا ہمیں کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیئے اور اس کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ کہ یہ مہلک مرض دبے پاؤں کہیں ہمارے مدارس کی چہار دیواری میں داخل تو نہیں ہو رہا ہے کہ ہم طلبہ کی تعلیم و تربیت کے نازک کام کو صحیح طور پر نہ انجام دے سکیں، حدیث شریف میں ہے "کل مولود یولد علی الفطرۃ فأبواہ یہودانہ و ینصرانہ" حدیث کے مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ بچہ پر عکس اسی کا پڑتا ہے جو وہ اپنے گھر کے ماحول اور والدین کی زندگی میں دیکھتا ہے، چونکہ استاد طالب علم کا روحانی باپ ہوتا ہے لہٰذا یہی اثر شاگرد استاذ سے قبول کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ یہ راستہ ایثار، صبر و قناعت کا راستہ ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ فاقہ کشی کرکے یہ کام انجام دیا جائے موجودہ دور کی صحتیں اس کی متحمل نہیں کہ اس باب میں ہم اسلاف کی مکمل پیروی کر سکیں مگر یہ ہم ضرور کر سکتے ہیں کہ اپنی ضروریات کو مختصر رکھیں اور بقدر کفاف پر قناعت کریں۔ اگر ماضی میں فاقہ کرکے پڑھانا ولایت کے درجہ کو پہونچاتا تھا تو آج بقدر کفاف برقناعت کرکے کام کرنا ولایت کے درجہ کو پہونچائے گا اور اپنا اثر دکھائے گا۔ اگر یہ بات نہ ہوگی تو باہم تنافس کا مرض پیدا ہوگا۔ اور تنافس وہ چیز ہے جو اداروں کی چول ہلا کر رکھ دیتا ہے، یہ راستہ سراسر ایثار و قربانی کا راستہ ہے اگر اس کی ہمت و جرأت نہیں تو میراث نبوت کے قاسم بننے کا حق ادا کرنا بھی مشکل ہوگا۔

اگر ہمارا منصب ورثۃ الانبیاء کا ہے تو ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ہمیں ان کانٹوں سے گذرنا پڑے گا، جن سے اس راہ کے رہرو گذرتے رہے ہیں اور اگر یہ نہ ہوگا تو انتشار و خلفشار ہوگا تعمیر کے بجائے تخریب ہوگی کہتے ہوئے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن کہنے والی بات کہنا ہی چاہیئے کہ

وفی العتاب حیاۃ بین أقوام۔

اب ہمارے مدارس کا کچھ ایسا ہی حال ہوتا جا رہا ہے کہ مدرسہ کے ماحول میں ان باتوں کی طرف سے

یکسر صرف نظر کیا جاتا ہے جن کا اوپر ذکر ہوا، یہ وہ خطرہ ہے کہ اس کو نصاب تعلیم کی تبدیلی بھی نہیں روک سکتی اس راہ کی

شرط اول آں باشد کہ تو محزوں باشی

اگر ہم کو کار نبوت انجام دینا ہے تو ورثۃ الانبیاء کی سیرت ہمارے سامنے ہونی چاہیئے ہماری اس کمزوری نے ہمارے مدارس کو بڑا نقصان پہنچایا ہے اور کہنے والے نے بڑے درد و حسرت سے کہا ہے ؎

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

مدارس عربیہ کے اساتذہ و طلبہ کی مثال سرحد کے محافظ دستوں کی ہے کیا یہ محافظ دستے عام شہریوں کی طرح چین کی نیند سوتے ہیں اور عیش و راحت کی زندگی گذارتے ہیں یا اس کا مطالبہ کرتے ہیں، اگر وہ اس کا مطالبہ کریں تو فرمانروائے وقت کا یہ فرض ہوگا کہ ان دستوں کو "کلمح بالبصر" سرحدوں سے واپس بلالے اور دوسرے دستے متعین کردے ورنہ پورا ملک خطرہ میں ہوگا۔

وارثین انبیاء کا کوئی ایسا حاکم نہیں جو ان کے ساتھ یہ معاملہ کرے لیکن یہ قطعاً نہ فراموش کرنا چاہیئے کہ جس نے "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" فرمایا ہے، وہ حی و قیوم ہے" لاتأخذہ سنۃ ولا نوم" ہے اور "یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور" ہے۔ وہ جب ہماری نا اہلی اور ظاہر پرستی کو دیکھے گا تو ہم سے چارج لیکر یہ منصب کسی اور قوم کو دے دیگا، ہمیں خدا نے جو منصب عطا کیا ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے اپنے دین کی حفاظت میں وہ ہمارا محتاج نہیں، ہم اس کے محتاج ہیں کہ اس منصب کی قدر کریں، اور اس کی قدر و قیمت کو پہچانیں اور پھر سے تازہ دم ہوکر پچھلی کوتاہیوں سے دست کش ہوکر از سر نو اپنا سفر شروع کریں۔

سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا، اب دین محمدی کی حفاظت اور اس کی دعوت و تبلیغ کا کام اس امت کے علماء ہی انجام دیں گے اس حقیقت کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین"

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے الفاظ ہیں:

"وارثین کتاب، نائبین انبیاء اور عام فہم الفاظ میں "علمائے دین" کی یہ اتنی بڑی ذمہ داری ہے اور اتنا نازک معاملہ ہے کہ اگر صحیح طور پر اس کا ادراک ہو تو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا ہے ان کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ راتوں کی نیند اڑ جائے اور کھانے پینے کی لذت ختم ہو جائے اور ان کا سکون ہمیشہ کیلئے جاتا رہے۔

دراصل حاملین و شارحین دین ہی کی سیرت و اخلاق پر عوام کی دیرینہ سے وابستگی اس سے عقیدت، اس پر اعتماد اور صحیح عقائد و مسلک کے بقاء کا انحصار ہے ان کی ذرا سی غلطی کیا اثر پیدا کر سکتی ہے۔ اس رابطہ کو کتنا کمزور کر سکتی ہے، جو امت اور دین کے درمیان قائم ہے ان کی اخلاقی کمزوری جماعت کا اخلاقی تنزل، کردار کی پستی دنیا طلبی، دولت پرستی، قوت و اقتدار کی تقدیس خواہشات نفس اور ذاتی مفادات کے سامنے سپر اندازی، تفرقہ اندازی، انتشار پسند ہمارے پورے معاشرہ پر کیا اثر ڈالتی ہے اور اس عہد و ملک کی پوری نسل کو کس طرح متزلزل و متاثر کر دیتی ہے۔ اگر اس کا صحیح ادراک ہو تو ہمارے مدارس کے بام و در ہی نہیں مساجد کے محراب و منبر بھی کانپنے لگیں اس مشہور حدیث سے بڑھکر کوئی اس حقیقت کی عکاسی و تصویر کشی نہیں کر سکتا فرمایا گیا:

"ألا إن فی الجسد مضغۃ إذا صلحت صلح الجسد کلہ وإذا فسدت فسد الجسد کلہ ألا وھی القلب"

علماء و خواص کی حیثیت معاشرہ میں بالکل وہی ہے جو قلب کی جسم انسانی میں ہے اور ان کے فساد و اختلال اور ان کے صلاح و اعتدال کا وہی اثر پوری ملت و معاشرہ پر پڑتا ہے جو قلب کے صلاح و فساد کا پورے جسم انسانی پر پڑتا ہے[1]

تبدیلیٔ نصاب کے ساتھ ساتھ اگر ان گذارشات کا بھی خیال رکھا جائے گا جواد پر عرض کی گئیں تو نبی امی لقب کے لب نوشیں سے آب حیات کا ٹپکا ہوا قطرہ جس نے صحرائے عرب کے جگر کو پھاڑ کر وہ پھول کھلایا جس نے ساری دنیا کو معطر کر دیا، آج بھی وہ قطرۂ نوشیں اپنا اثر دکھائیگا وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

---

[1] حالات کا نیا رُخ اور علمائے دین کی ذمہ داریاں۔

سوال و جواب

(بقیہ)

س:— کیا برش کا استعمال دانت کی صفائی کے لئے جائز ہے؟ جبکہ معلوم ہو کہ اس میں سور کے بال استعمال کئے جاتے ہیں۔

ج:— برش میں سور کے بال ہونے کا صرف خیال ہے، یہ صرف ایک سنی ہوئی بات ہے کہ برش میں سور کے بال استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ظن غالب یہ ہے کہ واقعہ ایسا نہیں ہے اس لئے اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کراچی

آزادیٔ نسواں کا زہریلا فریب

ذیل کا مضمون پاکستان کے مشہور عالم و دانشور مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی کی ایک تقریر ہے جو انھوں نے "حجاب و پردہ" کے شرعی حکم کے موضوع پر کی تھی اب یہ تقریر "آزادیٔ نسواں کا فریب" کے عنوان سے تعمیر حیات میں افادۂ عام کے مقصد سے شائع کی جارہی ہے۔ اسلئے بھی کہ ہمارے مسلم معاشرہ میں جس طرح ڈش انٹینا کا زہر غیر معمولی سرعت سے سرایت کرتا جارہا ہے، اسکے ازالہ کی تدبیریں اور فکر کریں، کیونکہ ہم جس اکثریت کے زمرہ میں زندگی گذار رہے ہیں اس نے اپنی مخصوص تہذیب و تعلیم کے سانچے میں ڈھالنے کا کام تیز کر دیا ہے، ہندوستان میں مسلم آبادی کا ۹۰ فیصد حصہ اپنی مادری زبان سے اور ۹۰ فیصد حصہ اپنی مخصوص تہذیب اور شناخت سے محروم ہو چکا ہے۔

ہم جس سموم ماحول میں سانس لے رہے ہیں اس کی زہرناکی کا اندازہ صرف دہلی میں شراب کے بدولت ہونے والے جرائم کے مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ۱۹۹۲ء میں ۷۰ ہزار جنسی جرائم ۸۹ ہزار مار پیٹ، ۸۰ ہزار قتل، ۹۰ ہزار موٹر گاڑیوں کی چوری، ۸۴ ہزار طلاق کے واقعات، ۹۰ ہزار ٹریفک حادثات، اور دہلی جیل میں آنیوالے قیدیوں کی ۸۰ ہزار تعداد شراب کی بدولت آتی ہے، اس پر کراچی و لاہور میں پیش آنیوالے جرائم کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ہم اشیا والوں نے نئے عالمی نظام کے دعویدار اس امریکہ کو اپنا نمونہ بنا رکھا ہے جو جرائم کی دنیا میں بھی قیادت کر رہا ہے، تازہ اعداد و شمار ملاحظہ فرمایئے۔ ۱۹۹۰ء میں طلاق کی شرح ۱۰ ہزار ناجائز بچوں کی پیدائش کی شرح ۵، ۸۰ ہزار سے کچھ خاندانوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے، ۱۰ ہزار وہ لوگ ہیں جو اولاد سے محروم ہونے کی بنا پر دوسرے ملکوں سے بچوں کو لاکر گود لے لیتے ہیں دس فیصدی وہ خاندان ہیں جو سیاہ بیوی بوڑھے ہو چکے ہیں اور وہ بوڑھوں کیلئے بنائے ہوئے مخصوص گھروں میں ایڑیاں رگڑ کر موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

(مولانا عثمانی کے مضمون میں ہمارے لیے غور و فکر کا سامان ہے)

اس موضوع کو صحیح طور سے سمجھنے سے پہلے ایک اہم نکتے کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہوں گا وہ نکتہ یہ ہے کہ عورت کے لیے "حجاب" اور "پردہ" کیوں ضروری ہے؟ اور اس کے شرعی احکام کیا ہیں۔ اور یہ بات اسوقت تک ٹھیک ٹھیک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ عورت کے اس دنیا میں آنے اور اس کے پیدا کئے جانے کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

تخلیق کا مقصد خالق سے پوچھو

آج مغربی انکار کی یورش میں یہ پروپیگنڈہ ہر جگہ کیا جاتا ہے کہ اسلام کے اندر عورت کو نقاب اور پردے میں رکھکر گھونٹ دیا گیا ہے۔ اس کو چار دیواری کے اندر قید کر دیا گیا۔ لیکن یہ سارا پروپیگنڈہ درحقیقت اس بات کا نتیجہ ہے کہ عورت کی تخلیق کا بنیادی مقصد معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس بات پر ایمان ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، انسان کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ مرد اور عورت دونوں کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اگر خدانخواستہ اس پر ایمان نہ ہو تو پھر بات آگے نہیں چل سکتی اور اس زمانے میں جو اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور لادینیت کے میدان میں روز بروز آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی نشانیاں اور علامات دکھا رہے ہیں جس سے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہو رہے اگر اللہ پر ایمان نہ ہو تو پھر بات آگے چل ہی نہیں سکتی۔ لیکن اگر اللہ پر ایمان ہے اور یہ پتہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور مرد کو بھی اس نے پیدا کیا اور عورت کو بھی اس نے پیدا کیا۔ اب پیدائش کا مقصد بھی اس سے پوچھنا چاہیئے کہ مرد کو کیوں پیدا کیا اور عورت کو کیوں پیدا کیا اور دونوں کی تخلیق کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

مرد اور عورت دو مختلف صنفیں ہیں

یہ نعرہ آج بہت زور و شور سے لگایا جاتا ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہیئے اور مغربی انکار نے یہ پروپیگنڈہ ساری دنیا میں کر دیا ہے۔ لیکن یہ نہیں دیکھا کہ اگر مرد اور عورت دونوں ایک ہی جیسے کام کیلئے پیدا ہوئے تھے تو پھر دونوں کو جسمانی طور پر الگ الگ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مرد کا جسمانی نظام اور ہے اور عورت کا جسمانی نظام اور ہے۔ مرد کا مزاج اور ہے۔ اور عورت کا مزاج اور ہے۔ مرد کی صلاحیتیں اور ہیں اور عورت کی صلاحیتیں اور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں صنفیں اسطرح بنائی ہیں کہ دونوں کی تخلیقی ساخت اور اس کے نظام میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ مرد اور عورت میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے یہ خود فطرت کے خلاف بغاوت ہے اور مشاہدہ کا انکار ہے اس لیے کہ یہ تو آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ مرد اور عورت کی ساخت میں فرق ہے۔ نئے فیشن نے مرد اور عورت کے اس فطری فرق کو مٹانے کی کتنی کوششیں کر دیکھیں چنانچہ عورتوں نے مردوں جیسا لباس پہننا شروع کر دیا اور مردوں نے عورتوں جیسا لباس پہننا شروع کر دیا ہے۔ عورتوں نے مردوں جیسے بال رکھنے شروع کر دیے اور مردوں نے عورتوں جیسے بال رکھنے شروع کر دیئے لیکن اس بات سے انکار اب بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مرد اور عورت دونوں کا جسمانی نظام مختلف ہے دونوں مختلف صنفیں ہیں دونوں کے اندازِ زندگی مختلف ہیں اور دونوں کی صلاحیتیں مختلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے پوچھنے کا ذریعہ پیغمبر ہیں

لیکن یہ کس سے معلوم کیا جائے کہ مرد کیوں پیدا کیا گیا اور عورت کو کیوں پیدا کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہی ہوگا کہ جس ذات نے پیدا کیا ہے اس سے پوچھو کہ آپ نے مرد کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا ہے؟ اور عورت کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا ہے؟ اور اس پوچھنے کا ذریعہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

انسانی زندگی کے دو شعبے

قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے کسی ادنیٰ شبہ کے بغیر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ درحقیقت انسانی زندگی دو مختلف شعبوں میں منقسم ہے، ایک گھر کے اندر کا شعبہ ہے، اور ایک گھر کے باہر کا شعبہ ہے یہ دونوں شعبے ایسے ہیں کہ ان دونوں کو ساتھ لیے بغیر ایک متوازن اور متدل زندگی نہیں گذاری جا سکتی۔ گھر کا انتظام بھی ضروری ہے اور گھر کے باہر کا انتظام یعنی کسب معاش اور روزی کمانے کا انتظام بھی ضروری ہے۔ جب دونوں کام ایک ساتھ اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک ٹھیک چلیں گے تب انسان کی زندگی میں توازن قائم ہو جائے گا۔

مرد اور عورت کے درمیان تقسیم کار

ان دونوں شعبوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ تقسیم فرمائی کہ مرد کے ذمے گھر کے باہر کے کام لگائے گئے، مثلاً کسب معاش اور روزی کمانے کا کام اور سیاسی و سماجی کام وغیرہ۔ یہ سارے کام درحقیقت مرد کے ذمے عائد کیے ہیں۔ اور گھر کے اندر کا شعبہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حوالے کیا ہے وہ اس کو سنبھالیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجاتا کہ عورت گھر کا انتظام کرے گی اور مرد باہر کا انتظام کرے گا تو بھی کوئی چون وچرا کی مجال نہیں تھی لیکن اگر عقل کے ذریعہ انسان کی فطری تخلیق کا جائزہ لیں تو بھی اسکے سوا اور کوئی انتظام نہیں ہو سکتا اس لیے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر تقابل کر کے دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ جسمانی قوت جتنی مرد میں ہے اتنی عورت میں نہیں اور کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے مرد میں عورت کے بہ نسبت جسمانی قوت زیادہ رکھی ہے اور گھر کے باہر کے کام قوت کا تقاضہ کرتے ہیں محنت کا تقاضہ کرتے ہیں وہ کام قوت اور محنت کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے لہٰذا اس فطری تخلیق کا بھی تقاضہ یہی تھا کہ گھر کے باہر کا کام مرد انجام دے اور گھر کے اندر کے کام عورت کے سپرد ہوں۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان تقسیم کار

حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرما رکھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے باہر کے کام انجام دیتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے اندر کا انتظام سنبھالیں چنانچہ گھر کی جھاڑو دیتیں، چکی چلا کر آٹا پیسیں پانی بھرتیں، کھانا پکاتیں۔

عورت گھر کا انتظام سنبھالے

ابتدا میں جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو براہ راست خطاب فرمایا۔ اور ان کے واسطے سے ساری مسلمان خواتین سے خطاب فرمایا، وہ یہ ہے کہ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ یعنی تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔

اس میں صرف اتنی بات نہیں کہ عورت کو ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جانا چاہیئے بلکہ اس آیت میں ایک بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے وہ یہ کہ ہم نے عورت کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ گھر میں قرار سے رہکر گھر کے انتظام کو سنبھالے

عورت کو کس لالچ پر گھر سے باہر نکالا گیا؟

لیکن جس ماحول میں معاشرے کی پاکیزگی کوئی قیمت ہی نہ رکھتی ہو اور جہاں عفت و عصمت کے بجائے اخلاقی باختگی اور حیاسوزی کو منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ وہاں اس تقسیم کار پر برہ وہ دیا کو نہ صرف غیر ضروری سمجھا جائے گا بلکہ جب مغرب میں تمام اخلاقی اقدار سے آزادی کی ہوا چلی تو مرد نے عورت کے گھر میں رہنے کو اپنے لیے دوہری مصیبت سمجھا، ایک طرف تو اسکی ہوسناک طبیعت عورت کی کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی اور دوسری طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

مولانا عزیز الحسن صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور

اصلاح معاشرہ کی منظم تحریک کا آغاز

یوں تو ہندوستانی مسلمانوں پر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ہی فرقہ پرستوں نے شب خون مارنا شروع کر دیا تھا اور ان کے ٹھکانوں پر سیم یورش جاری تھی مگر ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو فرقہ پرستوں اور فاسسٹوں نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی خالی کر دیا لیکن مسلمان اس کو بھی سہار لے گیا۔ کچھ اپنی بے حسی سے اور کچھ شعوری طور پر۔

فرقہ پرست حکومت کے اندر رہے ہوں یا باہر دونوں خیال و عمل میں متحد تھے اس لئے کامیاب ہو گئے اور ہم ٹکڑے ٹکڑے، الگ الگ اور ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھے۔ دشمن حملا اسی وقت کرتا ہے جب اس کا مدمقابل غافل ہو۔

۶ دسمبر کے حملہ کو ہم ایک طرح سے بیرونی حملہ تصور کرتے ہیں اور خود ہمارے اندر جو ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے، باہمی اختلاف و ٹکراؤ ہے، عصبیت ہے، ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا لاوا پک رہا ہے، کہیں عقائد کا اختلاف ہے تو کہیں برادری کے جھگڑے، یہ سب چیزیں مسلمانوں کی طاقت کو گھٹانے والی اور کمزور کرنے والی ہیں۔

چند ہفتہ قبل پٹنہ سے ایک ہولناک خبر آئی ہے جو خدانخواستہ صحیح ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی بد خبری کیا ہو سکتی ہے؟ اس خبر میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے ایک کھلے جلسہ میں اعلان کیا کہ ہمارے فلاں فلاں مطالبات پورے نہ ہوئے تو ہم اسلام کو خیرباد کہہ دیں گے۔ معاذ اللہ۔

سوچئے ہماری معاشی و معاشرتی خرابیوں نے ہمیں کہاں تک پہونچا دیا ہے۔ اندر سے ہمارا معاشرہ اور سماج اتنا سڑ گل چکا ہے کہ اب آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ ہماری گھریلو زندگی عذاب کا نمونہ بن چکی ہے، معاشی بدحالی نے ہمارے نوجوانوں کو غصہ اور ہیجان میں مبتلا کر دیا ہے۔ پوری مسلم سوسائٹی چڑچڑے پن کا شکار ہے اور اسی لئے وہ غلط فیصلے کرنے کی عادی ہو گئی ہے۔ مشہور ہے "پراگندہ روزی پراگندہ دل" ہمارا قومی سفر پراگندگی و افسردگی کے ساتھ جاری ہے۔

برادران وطن سے ہم اتنے متاثر ہیں کہ وہ اگر اپنی جہیز نہ لانے والی یا کم لانے والی بہوؤں کو جلانے میں عار محسوس نہیں کرتے تو ہم بھی اب بلا تکلف یہ کام کرنے لگے ہیں۔ ٹی وی کے بغیر بیوی ہمیں بھی قبول نہیں۔ بس لے کر اس لئے لڑکی کے گھر جاتے ہیں کہ اس میں ڈھیر سارا سامان لاد کر لے آئیں گے۔ فضول خرچی نے ہمیں تعلیم جیسی انتہائی اہم ضرورت سے غافل کر رکھا ہے۔ جس طرح ہندوستان کی حکومت تعلیم پر کم اور ڈیفنس پر زیادہ خرچ کرتی ہے اسی طرح ہم بھی تعلیم پر بہت کم اور فضول رسم و رواج اور تہواروں پر حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ترقی کی دوڑ میں سب سے پیچھے ہیں۔

شادی کی رسموں پر ہم جو بے حساب سرمایہ برباد کر رہے ہیں اس کا اندازہ تنظیم الحسنات کے حالیہ سروے سے ہوتا ہے۔ اس تنظیم نے صرف بنگلور کا جائزہ لیا ہے۔ سروے رپورٹ بتاتی ہے کہ بنگلور کے مسلمانوں نے ۱۹۹۳ء میں بنگلور کے مختلف چرچوں کو ایک کروڑ بائیس لاکھ روپیہ "ٹیکس" ادا کیا ہے۔ یعنی انھوں نے بجائے مسجدوں، میدانوں اور اپنے گھروں کے عیسائیوں کے گرجا گھروں میں شادیاں کیں اور اتنی بڑی رقم خرچ کر ڈالی جس سے وہ پورے ملک کے مسلمانوں کے لئے کئی تعلیمی و رفاہی ادارے قائم کر سکتے تھے۔ یہ رقم صرف "میرج ہال" کے کرایہ کی ہے، کھانا، فرنیچر، روشنی شامیانوں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں دوسری طرف ہندوؤں اور سکھوں میں دھیمی رفتار سے ایک خوشگوار تبدیلی بھی آ رہی ہے اگرچہ ناچ گانا، جہیز اور دوسری چیزیں ان کے مذہب کا حصہ ہیں مگر ان کی تباہ کاریوں سے عاجز آ کر وہ اصلاحی تحریکیں بھی شروع کر رہے ہیں۔ ان قوموں میں اجتماعی شادیوں کا رواج بڑھ رہا ہے۔ ہندوؤں کے مقدس مقام "اوڈپی" میں ہر سال گیارہ سے بارہ ہزار تک اجتماعی شادیاں ہونے لگی ہیں اور ہر شادی پر صرف چالیس روپئے کا خرچ آتا ہے اور بچی ہوئی رقم سے وہ جائدادیں خریدتے ہیں، تجارت کو فروغ دیتے ہیں، عبادت گاہیں اور اسکول قائم کرتے ہیں۔ یہ ہے ایک زندہ اور باعزت قوم کی علامت۔

حالات کی سنگینی نے بلاشبہ ہمارے قائدین کو اور ہماری تنظیموں کو بیدار کر رکھا ہے اور مختلف حصوں سے کانفرنسوں اور اجتماعات کے انعقاد کی آ رہی ہیں۔ حال ہی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (جس کا زیادہ حق اور زیادہ ذمہ داری ہے) کی تجویز پر دار العلوم ندوۃ العلماء نے اصلاح معاشرہ کانفرنس کی دعوت دی۔

اس عظیم ادارہ کے ذی وقار مہتمم حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی پکار پر ملک کے گوشہ گوشہ سے ہزاروں مندوبین اس بھری برسات میں لکھنؤ آ پہنچے۔ ۳۰، ۳۱ جولائی ۱۹۹۴ء کی تاریخیں یادگار تاریخیں بن گئیں۔ جولائی میں کھلے میدان میں کسی کانفرنس کے انعقاد کا تصور بھی محال ہے مگر ہم نے ندوہ کے کیمپس میں ناممکن کو ممکن بنتے دیکھا۔ ہم نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ "ایک ہستی دانا" نے ہیئت چمنستان بدل ڈالی۔

اجلاس شروع ہوا اور جوں ہی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے صدارتی تقریر شروع کی چھم چھم بادل برسنے لگے۔ سامعین نے اس کو ابر رحمت اور فال نیک سمجھا کانفرنس کے پنڈال پر باران رحمت کا نزول ہو رہا تھا اور کارروائی جاری تھی، بارش کے قطرے جو پنڈال کی سیاہ چھت پر مسلسل ٹپک رہے تھے مسلمانوں کو پیغام دے رہے تھے کہ گر تم یوں ہی اتحاد و اتفاق کے ساتھ اکٹھا ہوتے رہے تو ظلمتیں کافور ہو جائیں گی اور اللہ کی تائید تمہارے ساتھ ہوگی۔

یہ اجلاس ایک نمائندہ اجلاس تھا جس میں پورے ملک کے علماء، ارباب مدارس اور اصحاب فکر شریک تھے۔ ابتک ملک میں جتنی کانفرنسیں ہوئیں ان کو بڑی حد تک علاقائی کہا جا سکتا ہے، مختلف برادریوں نے ماشاء اللہ اس سمت میں اچھی پیش رفت کی ہے ان سب کوششوں کی تائید و حمایت ہونی چاہئے مگر ہم یہ بھی چاہیں گے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس کے عالی مقام صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے پیغام کو ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ اجلاس میں جو تجاویز پاس ہوئیں ہیں ان کو پوری ملت اسلامیہ ہند حرز جاں بنا کر رکھے، ان کو بروئے کار لائے علاج اور پرہیز سے ہرگز جی نہ چرائے۔ اگر ایسا ہو سکا تو صرف اصلاح معاشرہ کی یہ تحریک ہی ملت کے سارے دکھ درد دور کر دے گی۔

مولانا الحاج محی الدین منیریؒ کے حادثۂ وفات پر
ذمہ داران ندوہ کا تعزیتی خط

مکرمان و محترمان جناب ڈاکٹر علی ملپا صاحب صدر جامعہ و جناب ملا حسن صاحب قائم مقام ناظم، و حضرات اراکین جامعہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل اچانک بعد نماز مغرب یہ خبر بجلی بن کر گری کہ ہمارے مخلص ترین دینی بھائی، اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے آرزومند، ملت کے بے لوث کارکن، امت کے درد و دکھ میں شریک، مولانا الحاج محی الدین منیری نے اچانک داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وسع مدخلہ فی جنات رحمتک آمین۔

اس خبر کے سنتے ہی دار العلوم کی فضا سوگوار ہو گئی، عشاء کی فرض نماز کے بعد ہی لاؤڈ اسپیکر پر یہ غمناک خبر سنائی گئی، اور تمام نمازیوں نے دعائے مغفرت کی، اور آج خصوصی طور پر تحفیظ القرآن میں ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا مدظلہ، اور محمد رابع صاحب ندوی اس وقت لندن میں ہیں، ان حضرات کو بھی اطلاع دی جا رہی ہے۔ یقیناً ان حضرات کو بھی اس حادثہ سے بہت تاثر ہوگا۔ مرحوم کو حضرت سے دلی عقیدت و رحمت تھا، اور ندوۃ العلماء سے ان کو گہرا لگاؤ تھا، اس کی مجلس انتظامیہ کے اہم رکن تھے، جامعہ اسلامیہ بھٹکل اور جامعۃ الصالحات وغیرہ ان کی بے لوث اور انتھک کاوشوں کا ثمرہ ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ باغ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں۔ آپ اور آپ کے تمام معاونین اس امانت عظمیٰ کو انہی نقوش پر قائم رکھیں جو مرحوم نے قائم کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام اساتذہ و طلبہ کو صبر و عزیمت کی توفیق ارزانی فرمائے، براہ کرم ہماری مخلصانہ تعزیت حضرت مرحوم کے اہل خانہ اور صاحبزادوں اور افراد خاندان کو پہونچا دیں۔ یہ حادثہ ہم سب کے لئے اپنے خاندان کا حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اور ان کو یہ مژدہ ملے جو قرآن کریم کی اس آیت شریفہ میں ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ صدق اللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی خصوصی دست گیری و رہنمائی فرمائے۔ والسلام

معین اللہ ندوی	عبداللہ عباس ندوی	محمد ظہور ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ	معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ	نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ بندوق کے ذریعہ کسی چڑیا یا جانور کا شکار کیا اور گولی بسم اللہ پڑھ کر چلائی گئی تھی اس گولی سے وہ جانور یا چڑیا مرگئی تو آیا اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

ج:۔ گولی تیر کے مثل نہیں ہے بلکہ توڑنے والی ہے۔ لہٰذا بسم اللہ پڑھ کر بھی اگر بندوق چلائی گئی ہو تب بھی چڑیا کے مرجانے پر حلال نہ ہوگی۔

س:۔ ایک لاولد شخص کو اگر لیڈی ڈاکٹر اسپتال سے بچہ فراہم کردے تو اسے پرورش کرکے بچہ لینا کیسا ہے؟

ج:۔ اگر لیڈی ڈاکٹر غیر کا بچہ بغیر اس کی رضامندی کے کسی طریقہ سے ایک شخص کو فراہم کردے تو اس کے بچہ کا لینا شرعاً ناجائز ہوگا البتہ اگر لیڈی ڈاکٹر جائز طریقہ پر جس کا بچہ ہے اس کی مرضی سے لے کر مذکور شخص کے حوالہ کردے تو اسے دیکھ ریکھ کے لئے لینا شرعاً درست ہوگا۔

س:۔ بیوہ اپنے سسر اور ساس کے ساتھ حج کرنے جاسکتی ہے؟

ج:۔ بیوہ اپنے خسر کے ساتھ حج کرنے جاسکتی ہے شوہر کے انتقال کے بعد بھی بیوہ کے حق میں خسر محرم ہے، والمحرم الزوج ومن لا یجوز مناکحتها علی التابید لقرابة أو مصاهرة كذا في الخلاصة. (هندیہ ۲۱۷/۱)

س:۔ زید کی حالت بہت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے اس کی نماز قضا ہوتی رہی، اب زید کا انتقال ہوگیا ہے زید کی کوئی وصیت قضا نمازوں کے سلسلے میں نہیں ہے ایسی صورت میں جو نمازیں زید سے مجبوری کی بنا پر قضا ہوگئی ہیں کیا وارثین ان کا فدیہ دے سکتے ہیں کیا ان پر فدیہ دینا واجب ہے، اگر ہے تو ایک نماز کا کتنا فدیہ دینا ہوگا؟

ج:۔ دریافت کردہ صورت میں میت کی طرف نمازوں کا فدیہ ورثاء پر واجب نہیں ہے اور نہ اس کی طرف سے قضا کی جائے گی البتہ اگر اس کی ہر نماز کا فدیہ دے دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور میت کو ثواب ملے گا اور سیئات کی تلافی کا سامان ہوگا۔

س:۔ بعض عورتوں کا یہ خیال ہے کہ اگر وہ اپنے بچے کا دودھ نہ بخشیں گی تو آخرت میں ان کی بخشش نہ ہوگی، چنانچہ اسی بنا پر وہ کبھی کبھی غصہ میں اپنے بیٹوں کو ڈراتی ہیں کہ میں تمہارا دودھ نہ بخشوں گی، شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

ج:۔ شریعت مطہرہ میں دودھ بخشنے کی کوئی اصل نہیں ہے البتہ لڑکے کو والدین کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنی چاہیے اگر وہ ناراض رہے تو لڑکا عند اللہ ماخوذ ہوگا۔

س:۔ جرسی گائے کے دودھ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ امریکہ یا دوسرے یورپی ممالک میں گائے کو سور سے حاملہ کرا کے نسل کی ارتقا کی گئی ہے لیکن نسل در نسل اب ہندوستان میں کئی نسلیں گذرنے پر دودھ کا استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ جانور دو ہیں، وہ کالعدم کیا جاتا ہے، نر کا نہیں لہٰذا چونکہ یہ کوئی صورت میں جب کہ گائے کو سور سے حاملہ کرا کے نسل کا ارتقا کیا گیا ہے اور مزید کئی نسلیں بھی گزر چکی ہیں ایسی گائے کا دودھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ "والمولود بین الاهلی والوحشی یتبع الام لانها هی الاصل فی التبعیة حتی اذا نزا الذئب علی الشاة یضحی بالولد" ہدایہ ۴۳۳/۴

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لندن روانہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۲۰ اگست ۹۴ء کو دہلی سے لندن کیلئے روانہ ہوگئے۔ مولانا آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامی انسٹی ٹیوٹ کے ایک جلسے کی صدارت کریں گے،

اس کے بعد مولانا دوسرے یورپی ممالک میں اسلامی تنظیموں کی مجالس میں شرکت کرتے ہوئے مراکش کی راجدھانی رباط آجائیں گے۔ یہاں ادب اسلامی کے ایک اہم جلسے کو خطاب کریں گے واپسی میں وہ ریاض، اس کے بعد مکہ مکرمہ میں عمرہ کی ادائی اور مدینہ منورہ میں حاضری دیں گے مولانا تقریباً تین ہفتے کے بعد وطن ہندوستان واپس آجائیں گے۔

حضرت مولانا کے فرزند سفر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء ہیں۔

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

• سعودی عرب کے اخبارات نے امریکہ روس اور مغربی یورپی ممالک نیز جاپان پر زور دیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کی خود مختار انتظامیہ کی مدد کریں اور اسرائیل پر دباؤ ڈالیں کہ وہ مقبوضہ علاقوں اور مشرقی بیت المقدس سے اپنی فوجیں واپس بلائے تاکہ مشرق وسطیٰ میں پائیدار امن قائم ہوسکے۔

• بوسنیا ہرزے گووینا میں مسلمان اور سربوں نے بین الاقوامی امن منصوبے کو مسترد کردیا ہے اس منصوبہ کے مطابق مسلمان اور کرشوں کے فیڈریشن کو ۵۱ فیصد اور سربوں ۴۹ فیصد علاقہ دیا جانا تھا۔

• شاہ فہد کامپلکس برائے طباعت قرآن کریم مدینہ منورہ کے ذریعہ اس وقت سالانہ ایک کروڑ قرآن کریم کے نسخے طبع ہوکر عالم اسلام میں تقسیم کئے جارہے ہیں واضح رہے کہ اس ادارہ کے قیام کے بعد اب تک ۹ کروڑ قرآن مجید کے نسخے چھپ چکے ہیں۔

• جنوبی افریقہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ہند کے تعاون سے جلد ہی مسلمانوں کے پرسنل لاء کے مسائل حل کرنے کی غرض سے مقامی علماء پرسنل لا بورڈ قائم کریں گے۔ واضح رہے کہ جنوبی افریقہ جیسے نسل پرست علاقے میں مسلمانوں کے لئے الگ سے پرسنل لاء نہیں تھا اور ان کو مشترکہ قوانین کے تحت اپنے ذاتی معاملات طے کرنے ہوتے تھے لیکن نیلسن منڈیلا نے اپنی انتخابی مہم کے دوران مسلمانوں کے پرسنل لاء اور مذہبی امور میں مداخلت نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

• مغربی معاشرہ کی اخلاقی گراوٹ کا اثر ہے، اس مقالہ میں اسلامی آداب و معاشرت اور نظام زندگی کی تعریف کی ہے اور اسے ہر زمان و مکان کے لائق قرار دیا ہے اور اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا ہے کہ مغربی ممالک میں پھیلی خطرناک اخلاقی بیماریوں سے تنگ آکر مغربی معاشرہ خصوصاً خواتین دائرہ اسلام میں داخل ہورہی ہیں۔ چنانچہ تازہ ترین اخباری رپورٹ کے مطابق صرف ۱۹۹۳ء میں ۸ ہزار مانوی خواتین مشرف باسلام ہوکر پرسکون زندگی گزار رہی ہیں۔

(بقیہ)

آزادیٔ نسواں کا فریب

کو بھی ایک بوجھ تصور کرتا تھا چنانچہ دونوں مشکلات کا جو عیارانہ حل نکلا۔ اس کا خوبصورت اور معصوم نام "تحریک آزادیٔ نسواں" ہے عورت کو یہ پڑھایا گیا کہ تم اب تک گھر کی چار دیواری میں قید رہی ہو۔ اب آزادی کا دور ہے اور تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصہ لینا چاہیئے اب تک تمہیں حکومت و سیاست کے ایوانوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے اب تم باہر آکر زندگی کی جدوجہد میں برابر کا حصہ لو تو دنیا بھر کے اعزازات اور اونچے اونچے منصب تمہارا انتظار کررہے ہیں۔

عورت بے چاری ان دلفریب نعروں سے متاثر ہوکر گھر سے باہر آگئی اور بروپیگنڈے کے تمام وسائل کے ذریعے شور مچا مچا کر اسے یہ باور کرادیا گیا کہ اسے صدیوں کی غلامی کے بعد آزادی ملی ہے اور اب اسکے رنج و محن کا خاتمہ ہوگیا۔ ان دلفریب نعروں کی آڑ میں عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا۔ اسے دفتروں میں کلرکی عطا کی گئی۔ اسے اجنبی مردوں کے پرائیوٹ سکریٹری کا "منصب" بخشا گیا۔ اسے "اسٹینو ٹائپسٹ" بننے کا اعزاز دیا گیا۔ اسے تجارت چمکانے کیلئے "سیلز گرل" اور "ماڈل گرل" بننے کا شرف بخشا گیا اور اس کے ایک ایک عضو کو برسر بازار رسوائی کے گاہکوں کو دعوت دی گئی کہ آؤ اور ہم سے مال خریدو۔ یہاں تک کہ وہ عورت جس کے سر پر دین فطرت نے عزت و آبرو کا تاج رکھا تھا اور جس کے گلے میں عفت و عصمت کے ہار ڈالے تھے، تجارتی اداروں کیلئے ایک شوپیس اور مرد کی تھکن دور کرنے کے لیے ایک تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔

(جاری)

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

قصیدہ "نبیٔ رحمت"

حضرت حفیظ بنارسی کا یہ ایک قصیدہ ہے، اس میں حفیظ صاحب کی شاعری کے تمام محاسن جمع ہیں، موضوع کی نورانیت نے ان محاسن کو اور دوبالا کر دیا، بلکہ چار چاند لگا دیا ہے۔

شاعری کے جذبہ عقیدت اور وارفتگیٔ شوق نے اس کی اثر انگیزی میں برکت عطا کی ہے، بحر مترنم، الفاظ دل کش، اور ہر مصرعہ دل پذیر ہے۔

حفیظ صاحب کے کلام میں پختگی ہے اور اندازِ بیان میں ایک دل کشی ہے، ان کے ترنم سے ہر سننے والا جھوم اٹھتا ہے، اور ترنم سے کہیں زیادہ ان کا کلام جاندار ہوتا ہے۔

پیش نظر قصیدہ پر پروفیسر ڈاکٹر سید طلحہ برق نظامی دانا پوری نے ایک شگفتہ مقدمہ لکھا ہے، اور ایسی تحسین کی ہے جس میں ایک طرف ان کی وسعت نظری جھلکتی ہے دوسری طرف نعت رسولؐ سے ان کا ذاتی شغف اور خاندانی مناسبت ظاہر ہوتی ہے۔

عام طور پر تبصرہ اس وقت تبصرہ نہیں بلکہ مدحیہ قصیدہ سمجھا جاتا ہے، جب تک کہ اس میں تالیف زیرِ نظر پر کوئی اعتراض کا پہلو نہ اجاگر کیا جائے، میں اس قصیدہ پر تبصرہ کرنے بیٹھا تو سوچا کہ اس طرح کا کوئی کمزور پہلو تلاش کروں جس کی نشاندہی میری تحریر میں وزن ڈال دے اس غرض سے ایک بار اس قصیدہ کو پڑھا

لیکن جب ان اشعار تک پہونچا، ؎

اے محسنِ انسانیت اے داعیٔ اعظم
ہے تیرا تصور مرے ہر زخم کا مرہم
والصبح ترے عارضِ تاباں کی تجلی
واللیل کی تعبیر ترا گیسوئے پُرخم

تو عیب جوئی کی مہم دماغ سے نکل گئی، دل جھوم اٹھا، اور آنکھیں نہ جانے کیوں بھیگنے لگیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو الہامی اثر ہوا، دوبارہ پھر پڑھا، اس مرتبہ یہ اشعار راستہ روک کر کھڑے ہو گئے ؎

رعنائیٔ رفتار میں تسلیم کی موجیں
شیرینیٔ گفتار ہے فردوس کی شبنم
قندیلِ ہدایت ترا ہر نقشِ کفِ پا
روشن ترے انوار سے ظلمت گہِ عالم
مہتاب ترے سامنے کشکولِ گدائی
اے روشنیٔ غارِ حرا رونقِ عالم

جو شاعر کہتا ہو "قندیلِ ہدایت ترا ہر نقشِ کفِ پا" اس کے کلام میں کسی لغزش کی تلاش بجائے خود ایک فکری و جذباتی لغزش ہے، لفظ "طیبہ" "مدینہ منورہ" کا نام ہے، اس کو یائے مقصورہ سے "طیبیٰ" لکھا گیا ہے، املا میں اس تصرف کو غلطی نہیں کہا جا سکتا، شاعر مجتہد بھی تو ہوتا ہے۔

نام کتاب "میں زندہ ہوں" از محمد ایوب واقف۔ سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۱۹۲، کاغذ و طباعت مناسب، قیمت ۶۰ روپے۔ ملنے کے پتے۔ مکتبہ جامعہ دہلی، بمبئی، علی گڈھ۔ دانش محل لکھنؤ یوپی۔

اس کتاب میں خود مصنف کی مکمل خود نوشت، آل احمد سرور کی "خواب باقی ہیں" اور مجروح سلطانپوری کی "مشعلِ جاں" پر نقد و تبصرہ، "مولانا شبلی نعمانی سے متعلق ایک سیمینار کی رپورٹ"، "عصمت چغتائی کے نظریات" اور ان کی تحریروں کا بے لاگ تجزیہ، "ظفر انصاری" اور "عزیز قیسی" کے نظریات و اسالیب کا بیان، "غالب" کی ایک غزل کا تجزیہ، "نذر الاسلام" کی شاعری کی بنیادی خصوصیات، قتیل شفائی کے ساتھ ایک ادبی گفتگو شامل ہیں۔

یہ کتاب اردو ادب کی معیاری کتابوں میں ایک مفید اضافہ ہے، ہو سکتا ہے کوئی قاری واقف صاحب کے نظریات، تعبیرات اور مفاہیم سے اتفاق نہ کرے لیکن حسن بیان اور دلچسپ ادبی اسلوب تو سب کو تسلیم کرنا ہوگا، واقف صاحب کا کہنا ہے کہ "مذہب انسان کی ایک انفرادی ضرورت ہے" جب کہ محققین کا کہنا ہے کہ "مذہب انسان کی زندگی کا مقصد ہے"۔

واقف صاحب نے غالب کے اشعار کا ایک مطلب بیان کر کے تناقض دکھایا ہے جب کہ یہ تناقض دور بھی کیا جا سکتا ہے اسی طرح ڈومنی والے قصہ سے انکار بھی کیا جا سکتا ہے۔ کتاب میں کتابت کی غلطیاں برائے نام ہیں لیکن ص ۱۴۶ پر "تخالف و تناقص" کے بجائے دوبار "تخالف و تناقض" چھپ جانا زیادہ معیوب ہے۔ بحیثیت مجموعی کتاب قابلِ تعریف ہے لہٰذا اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کے مطالعہ کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

دار العلوم ندوۃ العلماء

خدمات و ضروریات

اس وقت پورا عالم مصائب و آفات سے دوچار ہے اور دنیا کے کسی گوشہ میں چین و سکون نہیں نظر آ رہا ہے قتل و غارتگری کی لوٹ مار اور دہشت و سراسیمگی کی حتی عام ہو گئی ہے خود مسلمان جو امت دعوت تھے، ان کے حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں ان حالات کی جو بھی توجیہ کی جائے بہر حال حقیقت یہی ہے کہ یہ دین سے دوری اور ضلالت و گمراہی ہے۔ لہٰذا ہماری اولین ذمہ داری یہ ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں اپنے ماحول کو دینی ماحول بنانے کی کوشش کریں نیز اپنے علاقوں میں دینی مکاتب، مدارس قائم کرنے، صلحاء دین کو عام کرنے کی فکر کریں کہ تمام برائیوں کی جڑ دین سے ناواقفیت اور بے خبری ہے مدارس و مکاتب کے سلسلہ میں ہر شخص جو کوشش کر سکتا ہو کرے یہ اس کی دینی و ملی ذمہ داری ہے کیونکہ مدارس ہی وہ سرچشمہ ہیں جہاں سے ہدایت کی روشنی پھیلتی اور انسانیت کی کھیتی ہری ہوتی ہے یہیں سے وہ افراد نکلتے ہیں جو زندگی کے ہر شعبوں میں دین و ایمان کی شمع روشن کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں لہٰذا مدارس کی بقاء و تحفظ اور انکی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ہر مسلمان کو فکر مند ہونا چاہیئے یہ اہم عظیم اور صدقہ جاریہ کا باعث ہے۔

قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور دینی مسائل کے سلسلہ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کی خدمات محتاج تعارف نہیں اس کے قیام کو بفضلہ تعالیٰ ایک سو سال ہو گئے ہیں خدا کا شکر ہے کہ اس اثناء میں اس نے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ ادارہ کی خوش قسمتی ہے کہ ایک مدت سے اسکو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی کی توجہ اور سرپرستی بھی حاصل ہے جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن سکا۔ اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کیلئے اس کے طلباء و اساتذہ اور کارکنان حتی الوسع کوشاں ہیں۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ دوسرے ممالک کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں اور ان کی تعداد برابر بڑھتی جا رہی ہے اور ممالک سے داخلہ کی درخواستیں برابر آتی رہتی ہیں جن کی بنا پر داخلوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے، ادھر دار العلوم کے اندر بھی دار الاقامہ کی تنگی کے سبب ۳۰ کمروں اور تین ہالوں پر مشتمل ایک نئے دار الاقامہ کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا جس میں تقریباً تیس لاکھ روپئے خرچ ہوں گے، ایک کمرہ کا تخمینہ ۴۵ ہزار ہے۔

مدرسہ اسلامیہ مہیت منوشاخ ندوۃ العلماء

چند سال قبل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لکھنؤ سے ۱۵ کلو میٹر کے فاصلے پر موضع مہیت منو میں ایک وسیع آراضی مع ایک قدیم و خستہ مسجد کے حاصل ہو گئی تھی جس میں فوری طور پر ایک مدرسہ کا اجراء کر دیا گیا تھا اب بفضلہ تعالیٰ تقریباً سات سال سے وہاں علاوہ مکتب اور بچیوں کے الگ مدرسہ کے تعلیم حفظ اور پنجم عربی تک کی تعلیم ہو رہی ہے کئی سال تک یہ پورا نظام مسجد کے تنگ و خستہ حجروں میں انجام پا رہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، اللہ کے مخلص و صاحب خیر اور با توفیق بندوں کے تعاون سے خستہ مسجد ایک خوبصورت اور وسیع مسجد میں تبدیل ہو گئی اور خستہ حجروں کی جگہ درسگاہ اور دار الاقامہ کیلئے مع دو وسیع ہالوں کے ایک دو منزلہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے اس عمارت سے متصل مطبخ اور دار الطعام (ڈائننگ ہال) بھی تیار ہو گیا ہے، ان عمارتوں کی تکمیل میں اب تک تقریباً ۷ لاکھ روپئے سے زائد خرچ ہو چکے ہیں، تعداد اساتذہ مع ادنیٰ ملازمین ۲۹، تعداد طلباء و طالبات ۲۰۵ فی الحال فوری طور پر مدرسۃ البنات کی درسگاہ اور اساتذہ کے رہائشی مکانات کی تعمیر سخت ضروری ہے۔

امید ہے کہ جن بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے وہ تعمیری کاموں میں دل کھول کر حصہ لیں گے، اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کی خاطر کمرے بنوائیں گے یا کسی ایک حصہ کی تکمیل کا بار اٹھا کر عند اللہ ماجور ہوں گے کہ یہ جو کچھ خرچ ہوگا اللہ کی راہ میں اور اس کے دین کے نام پر خرچ ہوگا جس کا اجر بیحد و بے حساب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جو کچھ ہم نے انکو عطا فرمایا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں (البقرہ)

نوٹ: چیک، ڈرافٹ وغیرہ ندوۃ العلماء کے نام بنوا کر بھیجیں، رقم کی ہر قسم کی ادائیگی کے لئے پکسا ناظم ندوۃ العلماء کے نام بھیجنا ضروری ہے۔

ناظم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۳۴، لکھنؤ، انڈیا
NADWATUL ULAMA LUCKNOW-

(مولانا) معین اللہ ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء)
(مولانا) محمد رابع ندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء)